ماہنامہ

المشیر

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا

فروری ۱۹۸۳ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۳ھ

جلد ۴ ٭ شمارہ ۵

اس شمارے میں

صفحہ

- محسن انسانیت کی آمد کا دن ۲ اداریہ مدیر
- اسرار التنزیل ۸ مولانا محمد اکرم صاحب
- تاریخ ساز مدبر ۱۳ مولانا امین احسن اصلاحی
- زندہ نبی ۲۰ مولانا مناظر احسن گیلانی
- بارگاہ نبوت میں (نعت) ۲۶ مولانا حالیؒ
- روشنی کا مینار ۲۷ مولانا ابوالحسن علی ندوی
- حسنت جمیع خصالہٖ ۳۷ الحاج شیخ محمد حبیب الرحمٰن ایس پی (ریٹائرڈ)
- گلہائے نعت ۴۲ باغ حسین کمال
- خواجہ کونین میدان جنگ میں ۴۶ صادق حسین طارق
- اسوہ و اصول کی ہم آہنگی ۵۲ پروفیسر محمد اقبال جاوید

دینی اصلاحی اور علم تصوف و سلوک کا واحد مجلہ

ماہنامہ المرشد چکوال (جہلم)

رابطہ کے لئے ۔ ۔ ۔ دارالعرفان منارہ ضلع جہلم

سرپرست اعلیٰ
حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

مدیر مسئول
حافظ عبدالرزاق ایم، اے

مجلس ادارت
(اعزازی)
پروفیسر بنیاد حسین نقوی بی، اے (آنرز) ایم اے
مولانا محمد اکرم منارہوی
پروفیسر باغ حسین کمال ایم، اے

بدل اشتراک
زر سالانہ: ۳۵ روپے
ششماہی: ۱۸ روپے
فی کاپی: ۳ روپے
غیر ممالک سے ۱۰۰ روپے

سول ایجنٹ
مدنی کتب خانہ گنپت روڈ لاہور

حافظ عبدالرزاق پبلشر نے منہاج الدین اصلاحی شرکت پرنٹنگ پریس گنپت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ المرشد الحسنات منزل چکوال ضلع جہلم سے شائع کیا۔

اداریہ

محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کا مہینہ

قمری سال کا تیسرا مہینہ عالمِ انسانیت کے لیئے بالعموم اور مسلمانوں کے لیئے بالخصوص برکتوں اور رحمتوں کے نزول کا مہینہ ہے۔

اس ماہِ مبارک میں وہ ہستی منصۂ شہود پر آئی جس کے لیئے ظلم و جور کی چکی میں پستی اور کراہتی ہوئی انسانیت مدت سے چشم براہ تھی۔

جس کے لیئے کفر و شرک کے اندھیروں میں گھری ہوئی انسانیت عرصہ سے سراپا انتظار بنی ہوئی تھی۔

جس کے آنے کی بشارت صدیوں پہلے ایک جانے والے نے اپنے جانے سے پہلے دے رکھی تھی۔ جس کی ضرورت کشتِ انسانیت کے لیئے اتنی ہی شدید جتنی کسی انتہائی طویل اور خشک موسم کی وجہ سے، جلی ہوئی کھیتی کو ابرِ رحمت کی پھوار کی ضرورت ہوتی ہے۔

اس رحمتِ مجسم کے آنے سے کشت انسانیت میں بہار آگئی، کونپلیں نکلیں، شاخیں بڑھیں، پھول کھلے اور دیکھتے ہی دیکھتے پھل آنے شروع ہو گئے۔

وہ ننگِ انسانیت جنہوں نے اسے نہ پہچانا ان سے کیا گلہ ان کی محرومی پر ترس آتا ہے، مگر وہ جو اُمت اجابت کہلائی اور اپنی خوشی کو کیسے ضبط کرسکتی تھی۔

چنانچہ ہوا یوں کہ جنہوں نے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور پہچانا وہ آگے بڑھے، قریب ہوئے، اتنے قریب کہ بس لٹو ہو گئے۔ ادھر رحمتِ عالم کی آواز کانوں میں پڑی ادھر وہ اس کی تعمیل میں سراپا عمل بن گئے۔ نہیں بلکہ وہ تو ایسے فریفتہ ہوئے کہ کہنے کا انتظار ہی کب کرتے، وہ تو اس کی پسند کی ٹوہ میں لگے رہتے، اس کی اداؤں کی نقل کرتے، بلکہ اس کی اداؤں پر مرمٹتے، وہ لوگ تو رہتی دنیا تک کے لیئے محبت و اطاعت کا ایک نمونہ، ایک سند ایک معیار بلکہ ایک سمبل قرار پائے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اُن کی اس شیفتگی کو یہ سند کس نے عطا کی؛ ہاں اسی نے عطا کی جس پر وہ ہزار جان سے فدا تھے، چنانچہ اس نے صلائے عام دے دی۔ اصحابي کالنجوم فبایهم اقتدیتم اهتدیتم

"میرے چاہنے والے آسمانِ ہدایت کے ستارے ہیں تم جس کا دامن بھی تھام لو گے تمہیں منزلِ مقصود پر پہنچا دے گا"

وہ زرین دور گزر گیا، امتدادِ زمانہ کے ساتھ آتشِ عشق بجھنے لگی۔ حتیٰ کہ وہ صورت سامنے آنے لگی کہ مایوسی کے عالم میں کوئی بے اختیار کہہ اٹھا ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے

گو راکھ میں بھی چنگاریاں تو دبی ہوتی ہیں مگر ان کی حیثیت ہی کیا ہوتی ہے ہاں کریدے، سلگائے ہوا دے تو ممکن ہے وہ شعلہ جوالہ کی صورت اختیار کریں۔

محبت و اطاعت کے سلسلے میں اس انحطاط اور زوال کے باوجود جذباتی تعلق اور دعویٰ تو بہر حال موجود ہے، اس اصل محبت و اطاعت کی کمی کو پورا کرنے کے لئے ایک راہ نکال لی گئی ہے۔

وہ تدبیر کبھی دراصل بختِ خفتہ کو بیدار کرنے کا ایک ذریعہ ہے چنانچہ سال بھر من کی موجوں میں مگن رہنے کے بعد ایک دن جشن منایا جاتا ہے، خوشی منائی جاتی ہے۔ کیوں نہ منائی جائے۔ بھلا اس سے زیادہ خوشی کا دن بھی کوئی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس کی آمد کی خوشی منائی جاتی ہے جس نے اشرف المخلوقات کو اپنے سے کم درجے کی مخلوق کی خود اختیار کردہ غلامی سے نجات دلانے کے لئے سب سے پہلا سبق دیتے ہوئے اور کامیابی کی پوری ضمانت دیتے ہوئے فرمایا تھا۔ قولوا لا الٰہ الا اللّٰہ تفلحوا اس بات کا دل سے یقین کرو اور زبان سے اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی عبادت و طاعت کے لائق نہیں فلاح کا یہی راستہ ہے۔ پہچاننے والوں نے صرف یہ کیا نہیں تھا بلکہ اس کے تقاضے عملاً پورے کر کے دکھا دیے تھے۔

اور اس کی وہ شیدائی خوشی مناتے ہیں جو واقعی لا الٰہ الا اللّٰہ کہتے ہیں بلکہ علی الاعلان کہتے ہیں آلہ جہیر الصوت پر کہتے ہیں، ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ عملاً ان کا معبود یا دولت ہے یا منصب ہے یہ دونوں بُت سج رہے ہیں اور ان کے لئے ہر قربانی دی جاتی ہے حتیٰ کہ ایمان تک قربان کر دیا جاتا ہے انہوں نے "قولوا" کے حکم کی تعمیل کر دی مگر جس نے پورے شعور سے کہا اس نے تو یہ بھی کہہ دیا تھا کہ ؎

چہ می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لاالٰہ را

آج اس کی تشریف آوری کی خوشی منائی جارہی ہے جس نے مخلوق کے سامنے جھکنے والے انسان کو اس کے سامنے پیشانی رکھنے کا سلیقہ سکھایا جو انسان کا خالق اور حقیقی معبود ہے۔ اس نے یہاں تک اس کی تاکید کی کہ الفرق بین العبد المومن و الکافر الصلوٰۃ کہ اللہ کے بندوں اور اللہ کے باغیوں میں خطِ فاصل کھینچنے والی چیز اللہ کے گھر میں پانچ وقت حاضری دے کر اس کے سامنے پیشانی رکھ دینا ہے۔ اور اس کے وہ عشاق خوشی مناتے رہتے ہیں جن کے محلے کی مسجدیں ویران ہیں اور سینماؤں میں بلیک میں ٹکٹ لینے کے لیئے جان لڑاتے ہیں۔ وہ جن کے متعلق کسی اہلِ نظر نے کہا تھا کہ ؎

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں "سینماؤں" میں
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں

یا منصب کے پجاریوں سے تقابل کرتے ہوئے کہا تھا ؎

اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے
کونسل میں بہت سیّد مسجد میں فقط جمّن

آج اس کے ورودِ مسعود کی خوشی منائی جارہی ہے جس نے انسان کے تمام دکھوں کے علاج کے لیئے اور انسان کی تمام محرومیوں کو سعادتوں سے بدلنے کے لیئے وہ نسخۂ کیمیا عطا کیا، جس کے متعلق اس کے بھیجنے والے نے یہ ضمانت دی تھی کہ اِنَّ ھٰذَا القرآن یھدی للتی ھی اقوم "یعنی یہ قرآن وہ راہ بتاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے"، اور وہ دیوانے خوشی منارہے ہیں جنھیں اس کتاب کے پڑھنے کی بھی فرصت نہیں اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی بات تو بہت دور ہے، ان کا جواب تو یہ ہوا کرتا ہے کہ ؎

قرآن بھی پڑھ لیں گے ذرا پاس تو ہولیں
والناس بھی پڑھ لیں گے ذرا "ناس" تو ہولیں

آج اس کی ولادت کا جشن منایا جارہا ہے جس نے یہ سبق دیا تھا کہ میرا چاہنے والا وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے کسی کو ایذا نہ پہنچے۔

اور اس کی یاد اس کے وہ چاہنے والے منا رہے ہیں جن کے ہاتھ مظلوموں اور کمزوروں پر بے محابا اُٹھتے ہیں۔ جو دن دہاڑے شاہراہوں پر بسوں کو لوٹتے پھرتے ہیں۔ اور اس کو باعث فخر سمجھتے ہیں جو معمولی بات پر اور ذرا سے فائدے کے لئے انسان کا خون یوں بہاتے ہیں جیسے کوئی جُوں مار دی۔

جن کی زبانیں دوسروں کی رسوائی کے لیئے قینچی کی طرح چلتی ہیں، جو سٹیجوں پر کھڑے ہو کر اپنے مخالفین کو غدار وطن کہتے تھکتے نہیں تاکہ ان کی کرسی محفوظ رہے جو منبر و محراب سے تکفیر کے بم یوں برساتے ہیں کہ اس مسجد والے کہتے ہیں اُس مسجد والے کافر ہیں گویا اسلام تو صرف مسجدوں کے باہر ہے خواہ وہ میخانوں میں ہو، منڈیوں میں ہو کلبوں میں ہو یا سینماؤں میں بہرحال مسجدوں کے اندر تو انہیں کافر ہی کافر نظر آتے ہیں۔ یہ اس کے منبر پر کھڑے ہو کر جُڑے ہوئے دلوں کو توڑتے ہیں جس نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا تھا۔

اس کی ولادت کی عید منائی جا رہی ہے جس نے یہ سبق دیا تھا کہ جو گوشت حرام غذا سے پلا ہے اس کے لیئے جہنم کی آگ ہی موزوں ہے، اور جس نے حرام کی ایک صورت کے متعلق تو یہاں تک تعلیم دی تھی کہ الراشی والمرتشی کلاھما فی النار یعنی رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں جہنم کا ایندھن ہیں۔

اور اس کے وہ سوداگر عید منا رہے ہیں جنہوں نے حرام کمائی کی کوئی شکل نہیں چھوڑی جس میں کمال نہ پیدا کر لیا ہو۔ تاجر ہیں تو ملاوٹ، کم تولنا جھوٹ بولنا، ذخیرہ اندوزی، سمگلنگ، اور چرس کی سمگلنگ، انکم ٹیکس کی چوری، کونسا فن ہے جس میں ان سوداگروں نے کمال نہ پیدا کیا ہو۔ ملازم ہیں تو غبن، دھوکا رشوت، شیر مادر سمجھتے ہیں، یوں لگتا ہے کہ جس کا جشن منا رہے ہیں اس کی بات پر اعتبار نہیں یا اپنے آپ کو اتنا جری سمجھتے ہیں کہ جہنم کی آگ کچھ اس قسم کی ہے جیسے کمرے میں ایرکنڈیشن لگا رکھا ہو، رشوت لے کر کوٹھیاں بناتے ہیں اور ان پر کتبہ لگا دیتے ہیں "ھٰذا من فضل ربی"

آج اس معلم اخلاق کے آنے کا جشن منایا جا رہا ہے جس نے کہا تھا انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق" یعنی مجھے تو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ میں تمہیں حسن اخلاق کی انتہائی

بلندیوں سے آشنا کردوں۔
اور جشن وہ منا رہے ہیں جنھوں نے اپنی لغت سے حُسنِ خلق کا لفظ ہی کھُرچ ڈالا ہے۔ اس مُزکّیٔ اعظمؐ نے فرمایا تھا کہ مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جس کے اخلاق عمدہ ہوں، مگر اس کے محبوّں نے محبت کا معیار ہی بدل کے رکھ دیا ہے۔
اس کی یاد منائی جارہی ہے جس نے راہ چلتے ہوئے کسی ساز کے بجنے کی آواز سُنی تو کانوں میں انگلیاں ڈال لی تھیں اور جب تک آواز بند نہ ہونے کا یقین نہ ہؤا انگلیاں کانوں سے نکالی نہیں۔
اور وہ فریفتگان یاد منا رہے ہیں جو ساز کی آواز کے بغیر کھانا تک نہیں کھا سکتے اور، جنھوں نے فائن آرٹ کے عنوان سے ساز و آہنگ کو نصاب تعلیم میں شامل کر کے اپنی اولاد تک کو عاشقِ رسولؐ بنانے کا اہتمام کرلیا ہے۔
آج اس کی یاد منائی جارہی ہے جس نے تعلیم دی تھی کہ گانا انسان کے دل میں نفاق کو یوں پروان چڑھاتا ہے جیسے پانی فصل کی نشو ونما کرتا ہے اور جس نے بتایا تھا کہ نفاق وہ مرض ہے جس کے مریض کے لئے خبر دی گئی کہ ان المنافقین فی الدرك الاسفل من النار۔
"کہ منافق لوگ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے"
اور خوشی وہ محبانِ رسول منا رہے ہیں جو گانے کو عبادت سمجھتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہیں کہ ہم تو یہ ریاضت باوضو ہوکر کرتے ہیں۔ اور گانوں کی محفلوں کا افتتاح تلاوت قرآن سے کرتے ہیں۔ خواہ تلاوت قرآن کے عین متصل شروع ہو جائے۔
"بتیّ بال کے بنیرے اُتے رکھنی آں"
اس کو کہتے ہیں کہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ بلکہ اب تو قرآن بھی پڑھا نہیں جاتا بلکہ گایا جاتا ہے اور بات یہاں تک پہنچی ہے کہ ؎

انھیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانے کی عادت بھی
نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں بن کر

آج اس کی یاد منائی جا رہی ہے جس نے مال کو خیر کثیر فرمایا جس نے مال کو ضائع کرنے سے سختی سے منع کیا تھا۔

اور یاد منانے والے چراغاں کرنے میں ایک رات لاکھوں روپے پانی کی طرح بہا دیتے ہیں وہ اسے خرچ کرنے کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ یہ اضاعتِ مال کے بغیر کچھ نہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ نہایت شوخی اور دلیری سے محبوب کی علی الاعلان نافرمانی بلکہ مخالفت کرکے محبت کا ثبوت پیش کرنے کی حماقت کی جاتی ہے، کون جانے یہ خود فریبی ہے یا خدا فریبی ہے یا ابلہ فریبی ہے۔ یا محبت اور محبوب دونوں سے استہزاء ہے اور کہاں تک رونا رویا جائے، منبر و محراب سے وعظ بھی نثر کو گا کر کیا جاتا ہے کیونکہ گانے کے رسیا سامعین اس کے بغیر سننے کی زحمت ہی گوارا نہیں کرتے۔

خوشی منانے کی یہ صورت، جشن منانے کا یہ انداز یاد منانے کی یہ شکل اس دور کی ضرورت ہے، اس دور میں سارا زور ایکٹنگ پر صرف کیا جاتا ہے سینماؤں میں پکچروں میں ایکٹروں کو ایک دوسرے سے کہاں تک محبت ہوتی ہے مگر محبت کی ایکٹنگ میں مجال ہے کہیں فرق آنے پائے، اور اس بناوٹ اس تصنع اس جھوٹ کو دیکھنے اور سننے کے لیئے وقت اور دولت بے دریغ خرچ کیئے جاتے ہیں۔ جس سے ذہن ہی ایسے بن گئے ہیں کہ محبت ہو نہ ہو محبت کی ایکٹنگ ضرور ہو۔

اس لیئے اے شیدائیو! اے محبانِ کرام، اے چاہنے والو، عید مناؤ، جشن مناؤ، یاد مناؤ۔ کیونکہ محبت کا تقاضا پورا کرنا ضروری ہے اور اس کی بہترین صورت بھی یہی ہے، کیونکہ اسی طریقے سے وہ دور لوٹ کے پھر آ سکتا ہے، جس دور میں اس کے چاہنے والے اس کی اداؤں پر مر مٹتے تھے۔

ہ

مسلم از سرِ نبی بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد

(مدیر)

(مسلسل)

مولانا محمد اکرم منارہ وی

اسرار التنزیل

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

جسم انسانی کا آمیزہ قدرتِ خداوندی کا عظیم شاہکار ہے۔ اس میں ایسی ایسی عجیب خصوصیات رکھی گئی ہیں اور اسے ایسے اوصاف سے متصف فرمایا گیا ہے کہ جو اللہ ہی کر سکتا ہے۔ کسی دوسرے کے بس کی بات نہیں۔ مثلاً جس طرح سے اس میں مٹی، پانی، آگ اور ہوا کو یکجا کر کے ان چاروں کی آمیزش سے نفس پیدا ہوا اور یہ پانچ بنیادی اجزاء وجودِ انسانی کے قرار پائے۔ مگر حقیقتاً یہ پانچ نہیں دس ہیں کہ پانچ لطائف عالمِ امر کے اس وجود میں ودیعت فرمائے گئے ہیں۔ اور یہ ایک عجیب اور حیرت انگیز آمیزہ ہے کہ مادے کی انتہائی ٹھوس شکل کے ساتھ لطیف ترین شے کہ عالمِ خلق سے بالاتر عالمِ امر سے متعلق تھی، اپنے اس میں اس طرح آمیز فرما دیا کہ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس کی ساتھی بن گئی کہ اس میں جاگزین ہو گئی۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ انسان پانچ کی بجائے دس چیزوں کے آمیزے سے مرکب ہے۔ جس طرح مادے کی بنیادی اشیاء آگ، مٹی، ہوا پانی ہیں اسی طرح تعلق باللہ اور روحانیت کی اساسی اور ٹھوس بنیادیں بھی پانچ ہیں انبیاء میں سے اولاالعزم ہستیاں بھی پانچ ہیں اور وہ ہیں حضرات۔ آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ یہ پانچ وہ بنیادی ہستیاں ہیں جو تعلق باللہ عالمِ امر اور روحانیت کی ٹھوس بنیاد فراہم کرتی ہیں۔ تمام تر مخلوق کا روحانی فیض اور روحانی رابطہ انہی پانچ ہستیوں سے قائم ہوتا ہے اور یہ پانچوں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم سے اخذِ فیض کرتی ہیں۔ جس طرح اجزائے مادی میں آگ، پانی اور ہوا کا مدار مٹی پر ہے

لیکن مٹی کسی بھی بگران سے خالی نہیں ہے اسی طرح یہ پانچوں انبیاء حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کسبِ فیض کرتے ہیں۔ اب یہ عالمِ امر کے یہ پانچوں لطائف نوعِ انسانی کو ودلیعت فرمائے گئے ہیں اس میں کہیں تفریق روا نہیں رکھی گئی، مومن کافر، بچہ بوڑھا، مرد عورت تمام نسلِ انسانی کو یہ اوصاف ودلیعت فرمائے گئے، اور جب تک وہ دنیا میں موجود ہے تب تک یہ اوصاف اس کے بدن میں برقرار ہیں اگر وہ ایمان لے آتا ہے تو پھر ان میں زندگی کی بنیاد پڑتی ہے، اور نورِ ایمان سے ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہو جاتا ہے مگر کسی بدنصیب کو ایمان ہی نہ ملا اس کا تعلق نبیؐ اور اللہ سے قائم نہیں ہوتا لیکن یہ بھی نہیں ہوتا کہ اس سے یہ چیزیں چھین لی جائیں تا آنکہ اپنی حیاتِ مستعار پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہو اس وقت تک اگر ان کو روشن نہیں کر سکا تو پھر کبھی نہیں کر سکتا پھر یہ نعمت اس سے سلب کر لی جاتی ہے عقیدے اور عمل کی خرابی ان چیزوں پر تاریکی تو مسلط کر دیتی ہے، میل اور گندگی کی ایک دبیز تہہ تو چڑھا دیتی ہے لیکن انہیں معدوم نہیں کر سکتی اور اس آیت میں یہی فلسفہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا ہے قل یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ " میرے ان بندوں کو فرما دیجئے جو اپنے آپ، اپنی جان اور وجود اور روح پر زیادتی کر چکے ہیں۔ اپنے گناہوں سے اسے آلودہ کر چکے ہیں، اپنے عقیدے کی غلطی یا عمل کی کوتاہی سے اسے خراب کر چکے ہیں، لیکن اسراف العمل اپنے آپ پر زیادتی یا اپنی خطاکاری کا احساس تب پیدا ہوتا ہے جب انسان کو اپنے بندہ ہونے اور اللہ تعالےٰ کا اپنا خالق و مالک ہونے کا احساس ہو جائے اگر اس احساس ہی سے عاری ہو تو پھر گناہ اور ثواب کا تصور ہی اُٹھ جاتا ہے پھر گناہ اور بدکاری تہذیب نظر آتی ہے اور اللہ کی عبادت قدامت اور جہالت دکھائی دیتی ہے نگاہ میں فرق پڑ جاتا ہے، گناہ کو گناہ سمجھنا بھی توبہ ہے۔ اور یہ پیدا ہی تب ہوتا ہے جب انسان کو اپنا بندہ ہونے کا احساس ہو جائے اس لیئے یہ آیت کریمہ کا آغاز ہی یٰعبادی۔۔۔ (اے میرے بندو) سے ہوا کہ اس کے مخاطب وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ کے مالک اور اپنا بندہ ہونے کا احساس ہو جائے جب یہ احساس ہوتا ہے تو گویا پوری زندگی تصویر کی طرح سامنے سے گزر جاتی ہے۔ کہ بندہ ہونے کی حیثیت سے مجھے کیا کرنا چاہیئے تھا اور میں کرتا کیا رہا، اب ایک محتاج، نیاز مند اور رب ہے جو ہر لمحہ اس کی تربیت فرما رہا ہے اس سے بچنے کا کوئی امکان نہیں رہا، اللہ کریم فرماتے ہیں ایسی بات نہیں ہے لا تقنطوا من رحمۃ اللہ میری رحمت، عفو و درگذر اور جود و عطا سے کبھی نااُمید نہ ہونا، چونکہ وہ دولت جو تعلق باللہ کی بنیاد بنتی ہے وہ میں نے تیرے وجود میں راسخ کر دی ہے کل مولودٍ یولد علی الفطرۃ ہر پیدا ہونے والا بچہ اس اصول پر اسی فطرت پر پیدا ہوتا ہے ثم۔۔۔ او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر

پھر اس کے والدین اور ماحول و معاشرہ جس میں وہ پلتا بڑھتا ہے اسے غلط راہ پہ ڈال دیتے ہیں اسے غلط عقائد تعلیم کر دیتے ہیں غلط اعمال میں پھنسا دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے بندہ ہونے کا شعور و احساس نہیں ہوتا حتیٰ کہ وقت گزرتا رہتا ہے اور جب یہ وقت گزر جائے تو فرمایا انّ اللہ یغفر الذنوب جمیعاً انہٗ ھو الغفور الرحیم۔ رب سارے کے سارے گناہ معاف کر سکتا ہے ایسا نہیں جو اس کی بخشش کو عاجز کر دے اور کوئی کوتاہی ایسی نہیں جو اس کی رحمت کو سمیٹ دے، انہ ھوا لغفور الرحیم وہ ذاتی طور پر بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے بخشش اس کا وصفِ ذاتی اور کمالِ ذاتی ہے اور ذاتی اوصاف کبھی جدا نہیں ہو پاتے مگر بخشش کا طریقہ یہ ہے وانیبوا الیٰ ربکم واسلموا یعنی اپنے آپ میں اللہ کی طلب پیدا کرو۔ (انابتِ الٰہی پیدا کرو، اللہ کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی طرف جھک جاؤ، اللہ کی طرف سرِ تسلیم خم کردو۔ اگر کوئی ہزار بار توبہ کرکے توڑ چکا ہے تو اس کا علاج بھی توبہ ہے اگر کوئی کتنے ہی جرائم کر چکا ہے اس کا علاج بھی توبہ ہی ہے لیکن اس کا طریقہ یہ ہے کہ طوفان میں چراغ نہیں جلا کرتے، انیبوا الیٰ ربکم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو۔ جب اللہ کی طرف متوجہ ہو گے تو یقیناً تمہیں اللہ والوں کے پاس جانا پڑے گا جس چیز کی ضرورت جستجو اور طلب ہو گی اسے حاصل کرنے کے لیئے منڈی میں اس دکان پر جانا ہو گا۔ جہاں سے یہ دستیاب ہو سکتی ہے کبھی کوئی مٹھائی خریدنے کے لیئے جوتوں کی دکان پر گیا ہے؟ کبھی کوئی جوتا خریدنے کے لیئے کپڑے کی دکان پر جاتا ہے؟ کبھی کوئی مقدمے کرد وا فروش کے پاس گیا ہے اور کبھی کوئی علاج کرانے کے لیئے وکیل کے پاس بھی جاتا ہے؟ اگر انابتِ الٰہی ہو گی اور انسان اس میں سچا ہو گا تو یقیناً اس طرف اس کے قدم اٹھیں گے جہاں اس شے کے طالب مزید لوگ بستے ہوں گے۔ جہاں یہ اس کا تذکرہ ہو گا۔ جہاں اس کے متعلق معلومات ہوں گی اور جہاں اس کا عملی اظہار ہو رہا ہو گا، سو وہ اس طرف ہی رجوع کرے گا۔ بخاری شریف میں ایک حدیث آتی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے بے شمار قتل کیئے حتیٰ کہ ننانوے حضرات کو موت کے گھاٹ اتار دیا تب اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ میں نے اللہ کی کثیر مخلوق قتل کر دی، اور کبھی اللہ کے سامنے مجھے بھی پیش ہونا ہے (اسی احساس کو انابت کہتے ہیں) میں اللہ تعالیٰ سے رجوع اللہ کے ہاں توبہ کروں اور اللہ سے بخشش چاہوں، سو کسی عالم کے پاس گیا، ساری بات بتائی اس نے کہا ظالم! اس قدر برائیاں کرکے اور مخلوق خدا کو زندگی سے محروم کرکے بھی تو نجات کا طالب ہے تیرے لئے کوئی جگہ نہیں وہ بھی مضبوط آدمی تھا اس نے تلوار کا ایک ہاتھ مارا اور کہا سو تو پورے ہو جائیں ایک کم سو پر کیوں مار کھاتا رہوں مولوی کو قتل کر ڈالا لیکن دل میں جو خلش اور تڑپ پیدا ہو گئی تھی وہ نہ نکال سکا پھر کسی اور کے ہاں جا پہنچا، انہوں نے فرمایا ہے

گناہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے تو تو سو کہتا ہے سو کروڑ بھی ہوں تو بھی اللہ کی رحمت کے آگے بند نہیں باندھ سکتے، تو اللہ کی طرف متوجہ ہو جا۔ اللہ کے سامنے توبہ کر، اپنے گناہ کا اقرار کر اور اس سے بخشش مانگ وہ ان کے ہاتھ پر تائب اور بیعت ہوا تب انہوں نے نصیحت کی اور فرمایا تو جہاں سے آیا ہے اب اس طرف لوٹ کر مت جانا اب تو اس سمت چلا جا جہاں نیک لوگ بستے ہوں، نیک لوگوں میں جا کر بسنا شروع کر دے تو اپنی توبہ پر قائم رہ سکے گا۔ اگر تو واپس اسی بدکاروں کی بستی میں جائے گا تو تیری توبہ ضائع کر دیں گے۔ ان سے ملنا جلنا، اٹھنا بیٹھنا ان کی باتیں ان کا سلوک تجھے توبہ پر قائم نہیں رہنے دیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کی رحمت اتنی وسیع ہے جب وہ اس طرف چلا تو زندگی کے دن بھی پورے ہو گئے۔ موت کے وقت اللہ کی رحمت پانے ہوئے لوگوں کی روح قبض کرنے کا محکمہ بھی دوسرا ہے، ان فرشتوں کا تعلق جنت سے ہوتا ہے، اور وہ جنت سے اس کے لئے لباس، خوشبو، پھول اور تحفے لاتے ہیں اور نہایت تکریم کے ساتھ اسے لے کر جاتے ہیں، مگر کافر کی جب موت آتی ہے تو اسے وصول کرنے والے فرشتوں کا تعلق جہنم سے ہوتا ہے یہ بہت وسیع محکمہ ہے اور ملک الموت اس کے انچارج ہیں، سو جب اس شخص کی موت آئی تو دونوں طرف کے فرشتے آ گئے جنت والوں کے پاس دلیل یہ تھی کہ یہ تائب ہو چکا ہے اور دوزخ والے کہتے تھے کہ ہماری پکی اسامی ہے ہم نہیں چھوڑیں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معاملہ پیش کیا گیا تو حکم ہوا یہ نیک لوگوں کی طرف چل پڑا تھا راستہ ناپ لو اگر بدکاروں کے قریب ہے تو دوزخ میں اور اگر جنت والوں کے قریب ہے تو بہشت میں لے جاؤ ادھر فرشتوں کو پیمائش کا حکم دیا ادھر زمین کو اس طرف سے سمٹنے اور اور اس طرف پھیلنے کا حکم دیدیا کہ اگر یہ دور بھی ہے تو اسے قریب کر دے کہ یہ نیک لوگوں کی طرف چل تو پڑا ہے تو ثابت وہ خلش ہے جو دل میں کھٹکتی ہے کہ میں جو کچھ کر چکا ہوں وہ نہیں کرنا چاہیئے تھا، بس علاج یہ ہے کہ پھر ان لوگوں کی طرف بڑھے جن کے سینے منور ہوں۔ جو اس استعداد اصلی پر قائم ہوں جو نہ صرف مادی زندگی بسر کرتے ہوں بلکہ عالم امر سے متعلق ان کے لطائف بھی روشن ہوں، جب یہ ان کی محفل میں پہنچے گا تو اس کے ان لطائف و کمالات اور اوصاف سے زنگ اتر کر انہیں دوبارہ زندہ کر دیگا لیکن اس کو وہ روشن نہیں کر سکیں گے جن کے اپنے زنگ خوردہ ہو چکے ہوں۔ تو یہی حکم یہاں دیا جاتا ہے وانیبوا الی ربکم واسلموا اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور سر تسلیم خم کر دو من قبل ان یاتیکم العذاب ثم لا تنصرون اس سے پیشتر کہ تمہاری کوتاہیوں پر عذاب الٰہی آجائے اس کے بعد کوئی تمہاری مدد نہیں کر پائے گا۔ جب کوئی شخص اللہ سے محروم کر دیا جاتا ہے تو کائنات میں کوئی بھی اس کے لئے دستگیری نہیں کر سکتا کفر سے توبہ اس وقت ہے جب تک اس پر عذاب کی کیفیات آشکارا نہ ہو جائے

اگر عذاب شروع ہو جائے اور عذاب کی کیفیات واضح ہو جائیں تو پھر بجز توبہ کوئی رہنے کی جرأت ہی نہیں کر سکتا۔

مگر وہ توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ایسی توبہ اختیاری نہیں اضطراری ہے، بالجبر ہے یوں تو سب کافر میدانِ حشر میں بھی پکار اٹھیں گے کہ اللہ ایک بار ہمیں دنیا میں بھیج پھر دیکھنا ہم کتنی تسبیحات پڑھتے کیسے سجدے کرتے اور عبادت کرتے ہیں مگر یہ بات اور ہے عذاب کو سامنے دیکھ کر گناہ پر قائم رہنے کی کسی میں جرأت ہی نہیں ہو سکتی۔

یہ بات تو تب تک ہے جب تک اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتبار آ جائے، ساری بات اعتبار کی ہے۔ اللہ پر اعتبار تب آئے گا جب اللہ کے نبی ؐ پر اعتماد ہوگا۔ سو انحصار اعتماد الرسول ؐ پر ہے مختلف شعبوں میں ہمیں مختلف لوگوں پر اعتماد ہوتا ہے سائنس پر سائنس دانوں پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اتنی ان دیکھی چیزوں کا اقرار کرتے ہیں جو بظاہر ہماری عقل سے بعید ہیں، ہمارا ذہن سوچ بھی نہیں سکتا کہ انسان راکٹ پر سوار ہو کر خلا میں گیا وہاں سے چاند پر جا اترا وہاں سے مٹی لی اور واپس زمین پر آ گیا لیکن اس کے باوجود اس کو تسلیم کر رہے ہیں اس لئے کہ سائنس دانوں کے کمالِ علم نے ہمیں اس کا قائل کر دیا۔

اسی طرح ڈاکٹر کہتے ہیں کہ ہم نے مریض کے سینے سے دل نکالا اور اس کی جگہ نیا دل لگا دیا یہ بات بھی بظاہر عقل سے دور ہے مگر ہم مان رہے ہیں۔ اس لیئے کہ یہ لوگ ماہر فن ہیں۔

لہٰذا جس قدر بھی دنیا میں علوم وفنون اور کمالات ہیں ان میں ایک کمال ایسا ہے جسے صداقت کہتے ہیں، سائنس دان آج ایک نظریہ قائم کرتا ہے اور کل کوئی دوسرا اس کو رد کر کے کوئی دوسرا نظریہ پیش کر دیتا ہے۔ مگر حضرت آدم ؑ سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء نے باری تعالےٰ اور انسان کا اس کے ساتھ تعلق کا ہمیشہ ایک ہی نظریہ پیش کیا۔ لہٰذا اسی نظریہ پر کاربند رہنے ہی میں انسانیت کی فلاح ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مضمون نگار حضرات
اپنے
مضامین اور نگارشات
ماہنامہ المرشد
"دار العرفان" منارہ ضلع جہلم
کے پتہ پر
ارسال فرمایا کریں

تاریخ ساز مدبّر

مولانا امین احسن اصلاحی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اللہ تعالےٰ نے دنیا کے لیئے جو دین بھیجا وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری اجتماعی زندگی کا بھی دین ہے، جس طرح وہ عبادت کے طریقے بتاتا ہے اسی طرح وہ سیاست کے آئین بھی سکھاتا ہے اور جتنا تعلق اس کا مسجد سے ہے اتنا ہی تعلق اس کا حکومت سے بھی ہے

یہ دین ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا اور سکھایا بھی اور ایک وسیع ملک کے اندر اسکو عملاً جاری و نافذ بھی کر دیا اس وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی جس طرح بہ حیثیت ایک مزکّی نفوس اور ایک معلم اخلاق کے ہمارے لیئے اسوہ اور نمونہ ہے اسی طرح ایک ماہر سیاست اور مدبر کامل کے بھی اُسوہ اور مثال ہے۔

اس امر واقعی سے ہر شخص واقف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب قوم سیاسی اعتبار سے ایک نہایت پست حال قوم تھی مشہور مؤرخ علامہ ابن خلدون نے تو ان کو ان کے مزاج کے اعتبار سے بھی ایک بالکل غیر سیاسی قوم قرار دیا ہے، ممکن ہے بعض لوگوں کو اس رائے سے پورا اتفاق نہ ہو تاہم اس حقیقت سے تو کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا کہ اہل عرب، اسلام سے پہلے اپنی پوری تاریخ میں کبھی وحدت اور مرکزیت سے آشنا نہیں ہوئے، بلکہ ہمیشہ ان پر نراج اور انار کی کا تسلط رہا پوری قوم جنگجو اور باہم نبرد آزما قبائل کا مجموعہ تھی جس کی ساری قوت و صلاحیت خانہ جنگیوں اور آپس کی لوٹ مار میں برباد ہوتی تھی اتحاد، تنظیم، شعور قومیت اور حکم و اطاعت وغیرہ جیسی چیزیں جن پر اجتماعی اور سیاسی زندگی کی بنیادیں قائم ہوتی ہیں ان کے اندر یکسر مفقود تھیں ایک خاص بدویانہ حالت پر صدیوں تک زندگی گزارتے گزارتے ان کا مزاج نراج پسندی کے لیئے اتنا پختہ ہو چکا تھا کہ ان کے اندر وحدت و مرکزیت پیدا کرنا ایک امر محال بن چکا تھا، خود قرآن حکیم نے ان کو قوماً لُدّاً کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے جس کے معنی جھگڑالو قوم کے ہیں اور ان کی وحدت و تنظیم کے بارے میں فرمایا لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم (انفال ۶۳)

یعنی "اگر تم زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے دلوں کو آپس میں جوڑ نہیں سکتے تھے۔"

لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کی قلیل مدت میں اپنی تعلیم وتبلیغ سے اس قوم کے مختلف عناصر کو اس طرح جوڑ دیا کہ پوری قوم ایک "بنیان مرصوص" بن گئی یہ صرف متحد اور منظم ہی نہیں ہو گئی، بلکہ اس کے اندر سالہا سال سے پرورش پاتے ہوئے اسباب نزاع واختلاف بھی ایک ایک کر کے دور ہو گئے، یہ صرف اپنے ظاہر ہی میں متحد اور مربوط نہیں ہو گئی بلکہ اپنے باطنی عقائد ونظریات میں بھی بالکل ہم آہنگ اور ہم رنگ ہو گئی، یہ صرف خود ہی منظم نہیں ہو گئی بلکہ اس نے پوری انسانیت کو بھی اتحاد وتنظیم کا پیغام دیا اور اس کے اندر حکم واطاعت، دونوں چیزوں کی ایسی اعلیٰ صلاحیتیں اُبھر آئیں کہ صرف استعارے کی زبان میں نہیں بلکہ واقعات کی زبان میں یہ قوم شتربانی کے مقام سے جہانبانی کے مقام پر پہنچ گئی۔ اور اس نے بلا استثناء دنیا کی ساری قوموں کو سیاست اور جہانبانی کا درس دیا

اس تنظیم وتالیف کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ایک بالکل اصولی اور انسانی تنظیم تھی اس کے پیدا کرنے میں حضورؐ نے نہ تو قومی، نسلی، لسانی اور جغرافیائی تعصبات سے کوئی فائدہ اٹھایا نہ قومی حوصلوں کی انگیخت سے کوئی کام لیا ہے، اگر حضور بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھاتے تو یہ بات آپؐ کی قوم کے مزاج کے بالکل مطابق ہوتی، لیکن آپ نے نہ صرف یہ کہ ان چیزوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ ان میں سے ہر چیز کو فتنہ قرار دیا اور ہر فتنے کی خود اپنے ہاتھوں سے بیخ کنی فرمائی، آپؐ نے اپنی قوم کو صرف اللہ کی بندگی اور اطاعت، عالمگیر انسانی اخوت، ہمہ گیر عدل و انصاف، اعلائے کلمۃ الحق اور خوف آخرت کے محرکات سے جگایا، یہ محرکات نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تھے اس وجہ سے آپ کی مساعی سے دنیا کی قوموں میں صرف ایک قوم کا اضافہ نہیں ہوا بلکہ ایک بہترین امت ظہور میں آئی جس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر (آل عمران)

"تم دنیا کی بہترین امت ہو جو پوری انسانیت کو نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے اٹھائے گئے ہو۔"

حضورؐ کی سیاست اور حضورؐ کے تدبر کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ آپؐ جن اصولوں کے داعی بن کر اٹھے، اگرچہ وہ، فرد، معاشرہ اور قوم کی زندگی پر حاوی تھے اور انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر گوشہ ان کے احاطے میں آتا تھا لیکن آپؐ نے اپنے کسی اصول کے معاملے میں کبھی کوئی لچک قبول نہیں فرمائی، نہ دشمن کے مقابلے میں نہ دوست نہ دوست کے مقابلے میں آپؐ کو سخت سے سخت حالات سے سابقہ پیش آیا، ایسے سخت حالات سے، کہ کوہ بھی ہوتا تو ان کے مقابلے میں نرم پڑ جاتا، لیکن آپؐ کی پوری زندگی گواہ ہے، کہ آپؐ نے کسی سختی سے دب کر کسی اصول کے مقابلے میں کوئی سمجھوتہ گوارا نہ کیا اسی طرح آپؐ کے سامنے پیشکشیں بھی کی گئیں اور آپؐ کو مختلف قسم کی دینی اور دنیوی مصلحتیں بھی سمجھانے کی کوشش کی گئی لیکن ان چیزوں میں سے کوئی چیز آپؐ کو متاثر یا مرعوب نہ کر سکی چنانچہ آپؐ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اس حال میں کہ آپؐ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات اپنی جگہ پر پتھر کی

لکیر کی طرح ثابت و قائم تھی، دنیا کے مدبروں اور سیاستدانوں میں سے کسی ایسے مدبر اور سیاستدانوں کا نشان آپ نہیں دے سکتے جو اپنے دو چار اصولوں کو بھی دنیا میں برپا کرنے میں اتنا مضبوط ثابت ہو سکا ہو کہ اس کی نسبت یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ اس نے اپنے کسی اصول کے معاملہ میں کمزوری نہیں دکھائی یا ٹھوکریں نہیں کھائیں، لیکن حضورؐ نے پورا ایک نظام زندگی کھڑا کر دیا جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے زمانہ کے مذاق اور رجحان سے اتنا بے جوڑ تھا کہ وقت کے مدبرین اور ماہرین سیاست اس انوکھے نظام کے پیش کرنے کے سبب سے حضورؐ کو نعوذ باللہ دیوانہ کہتے تھے، لیکن حضورؐ نے اس نظام زندگی کو عملاً دنیا میں برپا کر کے ثابت کر دیا کہ جو لوگ آپؐ کو دیوانہ کہتے تھے وہ خود دیوانے تھے۔

صرف یہی نہیں کہ حضورؐ نے کسی ذاتی مفاد یا مصلحت کی خاطر اپنے کسی اصول میں کوئی ترمیم نہیں فرمائی بلکہ اپنے پیش کردہ اصولوں کے لیئے کبھی اپنے اصولوں کی قربانی نہیں دی، اصولوں کے لیئے جان و مال اور دوسری تمام محبوبات کی قربانی دی گئی، ہر طرح کے خطرات برداشت کئے گئے اور ہر طرح کے نقصانات گوارا کئے گئے لیکن اصول کی ہر حال میں حفاظت کی گئی۔ اگر کوئی بات صرف خاص مدت تک کے لیئے تھی تو اس کا معاملہ اور تھا۔ وہ اپنی مدت پوری کر چکنے کے بعد ختم ہو گئی یا اس کی جگہ اس سے بہتر کسی دوسری چیز نے لے لی لیکن باقی رہنے والی چیزیں ہر حال میں اور ہر قیمت پر باقی رکھی گئیں۔ آپؐ کو اپنی زندگی میں یہ کہنے کی نوبت نہیں آئی کہ میں نے دعوت تو دی تھی فلاں اصول کی لیکن اب حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر اس کی جگہ فلاں بات بالکل اس کے خلاف اختیار کر لی جائے۔

حضورؐ کی سیاست اس اعتبار سے بھی دنیا کے لیئے ایک نمونہ اور مثال ہے کہ آپ نے سیاست کو عبادت کی طرح ہر قسم کی آلودگیوں سے پاک رکھا آپ جانتے ہیں کہ سیاست میں وہ بہت سی چیزیں مباح، بلکہ بعض صورتوں میں مستحسن سمجھی جاتی ہیں جو شخصی زندگی کے کردار میں مکروہ اور حرام قرار دی جاتی ہیں اگر کوئی شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے لیئے جھوٹ بولے، چالبازیاں کرے، عہد شکنیاں کرے لوگوں کو فریب دے یا ان کے حقوق غصب کرے تو، اگرچہ اس زمانے میں اقدار اور پیمانے بہت کچھ بدل چکے ہیں، تاہم اخلاق کبھی ان چیزوں کو معیوب ٹھہراتا ہے اور قانون کبھی ان باتوں کو جرم قرار دیتا ہے لیکن اگر ایک سیاست دان اور ایک مدبر یہی سارے کام کرے تو یہ اس کے فضائل اور کمالات میں شمار ہوتے ہیں، اس کی زندگی میں بھی اس کے اس طرح کے کارناموں پر اس کی تعریفیں ہوتی ہیں اور مرنے کے بعد بھی اپنے انھی کمالات کی بنا پر وہ اپنی قوم کا ہیرو سمجھا جاتا ہے۔ سیاست کے لیئے یہی اوصاف و کمالات عرب جاہلیت میں بھی ضروری سمجھے جاتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ تھا کہ جو لوگ ان باتوں میں شاطر ہوتے وہی لوگ ابھر کر قیادت کے مقامات پر آتے تھے۔

لیکن حضور اکرمؐ نے اپنی سیاسی زندگی سے دنیا کو یہ درس دیا کہ ایمانداری اور سچائی جس طرح انفرادی زندگی کے بنیادی اخلاقیات میں سے ہے اسی طرح اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لوازم میں سے بھی ہے بلکہ آپ نے ایک عام شخص کے جھوٹ کے مقابلے میں ایک با اقتدار اور بادشاہ کے جھوٹ کو جیسا کہ حدیث میں وارد ہے نہیں زیادہ سنگین قرار دیا ہے آپکی پوری سیاسی زندگی ہمارے سامنے ہے اس میں وہ تمام مراحل آپؐ کو پیش آئے جن کے پیش آنے کی ایک سیاسی زندگی میں توقع کی جاسکتی ہے۔ایک طویل عرصہ آپؐ نے نہایت مظلومیت کی حالت میں گزارا۔ اور کم وبیش اتنا ہی عرصہ آپؐ نے اقتدار اور سلطنت کا گزارا، اس دوران میں آپؐ کو حریفوں اور حلیفوں دونوں سے مختلف قسم کے سیاسی اور اقتصادی معاہدے کرنے پڑے، دشمنوں سے متعدد جنگیں کرنی پڑیں، عہد شکنی کرنے والوں کے خلاف جوابی اقدامات کرنے پڑے، قبائل کے وفود سے معاملے طے کرنے پڑے، آس پاس کی حکومتوں کے وفود سے سیاسی گفتگوئیں کرنی پڑیں، اور سیاسی گفتگو کی کے لئے اپنے وفود ان کے پاس بھیجنے پڑے، بعض بیرونی طاقتوں کے خلاف فوجی اقدامات کرنے پڑے یہ سارے کام آپؐ نے انجام دئے، لیکن دوست اور دشمن ہر شخص کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آپؐ نے کبھی کوئی جھوٹا وعدہ نہیں کیا، اپنی کسی بات کی غلط تاویل کرنے کی کوشش نہیں فرمائی، کوئی بات کہہ چکنے کے بعد اس سے انکار نہیں کیا۔ کسی معاہدے کی خلاف ورزی

نہیں کی، حلیفوں کا نازک سے نازک حالات میں بھی ساتھ دیا اور دشمنوں کے ساتھ بدترین حالات میں بھی انصاف کیا، اگر آپ دنیا کے مدبرین اور اہل سیاست کو اس کسوٹی پہ جانچیں تو میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کو بھی آپ اس کسوٹی پہ کھرا نہیں پائیں گے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ سیاست میں عبادت کی سی دیانت اور سچائی قائم رکھنے کے باوجود حضورؐ کو اپنی سیاست میں کبھی ناکامی کا تجربہ نہیں کرنا پڑا اب اس چیز کو چاہے تدبیر سے تعبیر کریں یا حکمتِ نبوتؐ سے۔

حضورؐ کی سیاست اور آپؐ کے تدبر کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ آپؐ نے عرب جیسے ملک کے ایک ایک گوشے میں امن و عدل کی حکومت قائم کردی کفار و مشرکین کا زور آپؐ نے اس طرح توڑ دیا کہ فتح مکہ کے موقع پر فی الفور انہوں نے گھٹنے ٹیک دیئے، یہود کی سیاسی سازشوں کا بھی آپؐ نے خاتمہ کر دیا۔

رومیوں کی سرکوبی کے لئے بھی آپؐ نے انتظامات فرمائے، یہ سارے کام آپؐ نے کر ڈالے لیکن اس سارے کام میں انسانی خون بہت کم حضورؐ سے پہلے کی تاریخ بھی شہادت دیتی ہے اور کے واقعات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ دنیا

چھوٹے چھوٹے انقلابات میں بھی ہزاروں لاکھوں جانیں ختم ہوجاتی ہیں اور مال واسباب کی بربادی کا تو کوئی اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا، لیکن حضورؐ کے مبارک ہاتھوں سے جو انقلاب برپا ہوا اس کی عظمت و وسعت کے باوجود شاید ان نفوس کی تعداد چند سو سے زیادہ نہیں ہوگی جو اس ساری جدوجہد کے دوران حضورؐ کے ساتھیوں میں شہید ہوئے یا مخالف گروہ کے آدمیوں میں سے قتل ہوئے۔

پھر یہ بات بھی غائیت درجہ اہمیت رکھتی ہے کہ دُنیا کے معمولی معمولی انقلابات میں ہزاروں لاکھوں آبروئیں فاتح فوجوں کی ہوس کا شکار ہوجاتی ہیں اس تہذیب وتمدن کے زمانے میں بھی ہم نے دیکھا ہے کہ فاتح ملک کی فوجوں نے مفتوح ملک کی گلیاں اور سڑکیں حرام کی نسلوں سے بھردی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ارباب سیاست اس صورتِ حال پر شرمندگی اور ندامت کا اظہار کرنے کی بجائے اس کو ہر انقلاب کا ایک ناگزیر نتیجہ قرار دیتے ہیں لیکن حضورؐ کی قیادت میں جو انقلاب رونما ہوا اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ کوئی ایک واقعہ بھی ہمیں ایسا نہیں ملتا کہ کسی کے ناموس پر دست درازی ہوئی ہو، اہل سیاست کے لیئے طمطراق بھی سیاست کے لوازم میں سے سمجھا جاتا ہے جو لوگ عوام کو ایک نام میں پرونے اور ایک نظم قاہرہ کے تحت منظم کرنے کے لئے اُٹھتے ہیں، وہ بہت سی باتیں اپنوں اور بیگانوں پر اپنی سطوت جمانے اور اپنی ہیبت قائم کرنے کے لیئے اختیار کرتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ان کی سیاسی زندگی کے لازمی تقاضوں میں سے ہیں۔ اگر وہ یہ باتیں اختیار نہ کریں گے تو سیاست کے تقاضے پورے کرنے سے قاصر رہیں گے اسی طرح کے مقاصد کے پیشِ نظر جب وہ نکلتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے جلو میں چلتے ہیں، جہاں وہ ظاہر ہوتے ہیں ان کے نعرے بلند کرائے جاتے ہیں جہاں وہ اُترتے ہیں ان کے جلوس نکالے جاتے ہیں، جلسوں میں ان کے حضور میں ایڈریس پیش کیئے جاتے ہیں اور ان کی شان میں قصیدے پڑھے جاتے ہیں جب وہ مزید ترقی کرجاتے ہیں تو ان کے لیئے قصر وایوان تیار کیئے جاتے ہیں۔ ان کو سلامیاں دی جاتی ہیں، ان کے لیئے بری، بحری اور ہوائی خاص سواریوں کے انتظامات کیئے جاتے ہیں، جب کبھی وہ سڑک پر نکلنے والے ہوتے ہیں تو سڑک دوسروں کے لیئے بند کردی جاتی ہے اس زمانے میں ان چیزوں کے سوا کسی صاحب سیاست کا تصور نہ دوسرے لوگ ہی کرتے ہیں نہ کوئی صاحب سیاست ان لوازم سے الگ خود اپنا کوئی تصور کرتا ہے۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس اعتبار سے بھی دُنیا کے تمام اہلِ سیاست سے الگ رہے جب آپ اپنے صحابہ میں چلتے تو کوشش فرماتے کہ سب سے پیچھے چلیں مجلس میں تشریف رکھتے تو اس طرح گھل مل کر بیٹھتے کہ یہ امتیاز کرنا مشکل ہوتا کہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں، کھانا کھانے کے لیئے بیٹھتے تو دو زانو ہو کر بیٹھتے اور فرماتے کہ میں اپنے رب کا غلام ہوں اور جس طرح ایک غلام کھانا کھاتا ہے اسی طرح میں بھی کھانا کھاتا ہوں، ایک دفعہ ایک بدّو، اپنے اس تصور کی بنا پر جو حضورؐ کے بارے میں اس کے ذہن میں رہا ہوگا، سامنے آیا تو حضورؐ کو دیکھ کر کانپ گیا۔ آپؐ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا ڈرو نہیں، میری ماں بھی خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔ یعنی جس طرح تو نے اپنی بدویانہ زندگی میں اپنی ماں کو سوکھا گوشت کھاتے دیکھا ہوگا، اسی طرح خشک گوشت کھانے والی ایک ماں کا بیٹا میں بھی ہوں نہ آپؐ کے لیئے کوئی خاص سواری تھی نہ کوئی خاص قصر و ایوان، نہ کوئی خاص باڈی گارڈ تھا، آپ جو لباس دن میں پہنتے اسی میں شب میں استراحت فرماتے اور اسی میں تمام اہم سیاسی امور کے فیصلے فرماتے۔

یہ خیال نہ فرمایئے کہ اس زمانے میں بدویانہ زندگی میں سیاست، اس طمطراق اور اس ٹھاٹھ باٹھ سے آشنا نہیں ہوئی تھی جس کی اب وہ عادی ہوگئی ہے سیاست اور اہل سیاست کی تاناشاہی ہمیشہ سے یہی رہی ہے۔ فرق اگر ہوا ہے تو محض بعض ظاہری باتوں میں ہوا ہے، البتہ حضور اکرمؐ نے ایک نئے طرز کی سیاسی زندگی کا نمونہ دنیا کے سامنے رکھا جس میں دنیاداری کرّوفر کی بجائے خلافت الٰہی کا جلال اور ظاہری ٹھاٹھ باٹھ کی جگہ خدمت و محبت کا جمال تھا

لیکن اس سادگی، فقر و درویشی کے باوجود اس کے دبدبے اور اس کے شکوہ کا یہ عالم تھا کہ روم و شام کے بادشاہوں پر اس کے تصور سے لرزہ طاری ہوتا تھا۔

نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیاست اور آپؐ کے تدبّر کا ایک اور پہلو بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپؐ اپنی حیاتِ مبارکہ ہی میں ایسے لوگوں کی ایک بڑی جماعت بھی تربیت کر کے تیار کردی جو آپؐ کے پیدا کردہ انقلاب کو اس کے اصلی مزاج کے مطابق، آگے بڑھانے، اس کو مستحکم کرنے اور اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اس کے مقتضیات کو بروئے کار لانے کے لیئے پوری طرح اہل تھے، چنانچہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص بھی انکار نہیں کر سکتا کہ حضورؐ کی وفات کے بعد اس انقلاب نے عرب سے نکل کر آس پاس کے دوسرے ممالک میں قدم رکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کرۂ ارض کے تین براعظموں میں اس نے اپنی جڑیں جمالیں اور اس کی اس وسعت کے باوجود اس کی قیادت کے لیئے موزوں اشخاص درجال کی کمی محسوس نہیں ہوئی میں نے جن تین براعظموں کی طرف اشارہ کیا ہے ان کے متعلق یہ حقیقت بھی ہر شخص جانتا ہے کہ ان کے اندر وحشی قبائل آباد نہیں تھے بلکہ وقت کی نہایت ترقی یافتہ جبار و قہار شہنشاہیاں تھیں لیکن اسلامی انقلاب کی موجوں نے جزیرۂ عرب سے

اُٹھا کر ان کو ان کی جڑوں سے اس طرح اکھاڑ پھینکا گویا دنیا میں ان کی کوئی بنیاد رہی نہیں تھی اور ان کے ظلم و جور کی جگہ ہر گوشے میں اسلامی تہذیب و تمدن کی برکتیں پھیلا دیں۔ جن سے دنیا صدیوں تک متمتع ہوتی رہی۔

دنیا کے تمام مدبرین اور اہل سیاست کی پوری فہرست پر نگاہ ڈال کر غور کیجئے کہ ان میں کوئی شخص بھی ایسا نظر آتا ہے جس نے ایسے دو چار ساتھی بنانے میں کامیابی حاصل کی ہو جو اس کی فکر فلسفے اور اس کی سیاست کے ان معنوں میں عالم و عامل رہے جن معنوں میں حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے عالم و عامل ہزاروں صحابہ تھے؟

آخر میں ایک بات تنبیہ کے طور پر عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اصلی مرتبہ و مقام یہ ہے کہ آپ نبی خاتم اور پیغمبر عالم ہیں سیاست و تدبر اس مرتبۂ بلند کا ایک ادنیٰ شعبہ ہے جس طرح ایک حکمران کی زندگی پر ایک تحصیلدار کی زندگی کے زاویے سے غور کرنا ایک بالکل ناموزوں بات شاید یہ ہے کہ ہم سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر ایک ماہر سیاست یا ایک مدبر کی زندگی کی حیثیت سے غور کریں نبوت و رسالت ایک عظیم عطیۂ الٰہی ہے، جب یہ عطیہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو بخشتا ہے تو وہ سب کچھ اسے بخش دیتا ہے جو اس دنیا میں بخشا جا سکتا ہے پھر حضورؐ تو صرف نبی ہی نہیں تھے خاتم الانبیاء تھے صرف رسول ہی نہیں بلکہ خاتم الرسل ہیں۔ صرف اہل عرب کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم کے لیے مبعوث ہوئے۔ اور آپؐ کی تعلیم و ہدایت صرف کسی خاص مدت کے لیے نہیں تھی بلکہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ اور یہ بھی ہر شخص جانتا ہے کہ حضورؐ کسی دینِ رہبانیت کے داعی بن کر نہیں آئے تھے بلکہ ایک ایسے دین کے داعی تھے جو روح اور جسم دونوں پر حاوی اور دنیا و آخرت دونوں کے حسنات کا ضامن ہے جس میں عبادت کے ساتھ سیاست، درویشی کے ساتھ حکمرانی کا جوڑ محض اتفاق سے پیدا نہیں ہو گیا تھا بلکہ یہ عین اس کی فطرت کا تقاضا تھا، جب صورت حال یہ ہے تو ظاہر ہے کہ حضورؐ سے بڑا سیاستدان اور مدبر کون ہو سکتا ہے، لیکن یہ چیز آپؐ کا اصلی کمال نہیں بلکہ جیسا کہ میں نے عرض کیا آپ کے فضائل و کمالات کا محض ایک ادنیٰ شعبہ ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ سیارہ ڈائجسٹ)

ماہنامہ المرشد کا چندہ
صرف
۳۵/ روپے ہے
فی پرچہ ۳ روپے غیر ممالک سے ۱۰۰ روپے

(مولانا مناظر احسن گیلانی)

زندہ نبی

یوں آنے کو تو سب ہی آئے، سب میں آئے سب جگہ آئے سلام ہو ان سب پر کہ بڑی کٹھن گھڑیوں میں آئے۔ لیکن کیا کیجیے کہ ان میں جو بھی آیا جانے ہی کے لیے آیا۔

پر ایک اور صرف ایک جو آیا، اور آنے کے لیے ہی آیا، وہی جو آیا، اور آنے کے لیے ہی آیا وہی جو اُگنے کے بعد پھر کبھی نہیں ڈوبا۔ چمکا اور چمکتا ہی چلا گیا۔ اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے، بڑھا اور بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔ چڑھا اور چڑھتا ہی چلا جا رہا ہے سب جانتے ہیں اور سب کو جاننا ہی چاہیے کہ جنہیں کتاب دی گئی اور جو نبوت کے ساتھ کھڑے کئے گئے برگزیدوں کے اس پاک گروہ میں اس کا استحقاق صرف اسی کو ہے! اور اس کے سوا کس کو ہو سکتا ہے جو پچھلوں میں بھی اس طرح ہے جس طرح پہلوں میں تھا۔ دور والے بھی اسکو ٹھیک اس طرح پا رہے ہیں اور ہمیشہ پاتے رہیں گے جس طرح نزدیک والوں نے پایا تھا۔ جو آج بھی اسی طرح پہچانا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ پہچانا جائے گا۔ جس طرح کل پہچانا گیا تھا۔ کہ اسی کے دن کے لئے رات نہیں

ایک اسی کا چراغ ہے جس کی روشنی بے داغ ہے۔

بات یہ ہے کہ جتنے آنے والے آئے سب جانے کے لیے آئے اور بینات اور واضح شہادات کی روشنی میں دیکھا جا چکا کہ جو بھی آیا بالآخر ایک ایک کر کے کسی نہ کسی طرح خود وہ کہ ان کی زندگی انکی تعلیم، جہاں سے طلوع ہوتی تھی۔ وہیں بالآخر غروب ہو گئی۔ اور بلاشبہ ان کے لیے یہی مقدر تھا۔ قدرت کے باندھے قانونوں کو دنیا کا کونسا زور کھول سکتا ہے۔ پر اب دیکھو کہ وہ آتا ہے جو آنے ہی کے لیے آیا۔ کس شان کے ساتھ آیا کس آن کے ساتھ آیا۔ مصریوں کی غلامی میں صدیاں بسر کرنے والوں میں نہیں، بلکہ جب سے دنیا ہے، آدمؑ کے جن گھرانوں کو محکومیت کی لعنت نے کبھی نہیں چھوا، جن کے دماغ میں آزادی کی ہوا کے سوا کبھی کسی قسم کی غلامی کی گندگی نہیں پہنچی۔ بلاشبہ آدمؑ کی ساری اولاد کے درمیان شاید یہی ایک نسل تھی جس نے اپنے ہاتھ کو سب کے خلاف، اور سب کے ہاتھ کو اپنے خلاف رکھ کر ہمیشہ

ایسی زندگی بسر کی جو دنیا کے کسی خطے کے باشندوں کو میسر نہ ہوئی وہ انہی آزادوں میں اٹھا، اور محسوس قوتوں میں جن چیزوں کا نام قوت رکھا گیا ایک ایک کے نیچے سے انسانیت کو آزادی دلانے کے دعوے کے ساتھ اٹھا۔ اور وہ تمام کاذب قوتوں کو جھٹلاتا ہوا اٹھا۔

بے زوری کو زور رکھنے والوں کا زور توڑنے کے لیے خود اس کے ساتھ یہ دکھایا گیا کہ پیدا ہونے کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے کہ وہ آئے۔ اس میدان میں آئے جہاں جھوٹی قوتوں سے آزادی کا پرچم کھولا جائے گا۔ وہ دھوکہ کی اس قوت سے آزاد ہو گیا۔ جس کا نام دنیا نے باپ رکھا ہے۔

غور کے ساتھ ہی چند ہی دنوں کے بعد اس غلط بھروسہ کا تکیہ بھی اس کے سر کے نیچے سے کھینچ لیا گیا۔ جس کو ہم سب "ماں" کہتے ہیں۔

حقیقت جتنے بین اور شاندار چہرہ کے ساتھ اب اس بے مادر و پدر لاوارث یتیم کی پیشانی سے چمک رہی تھی نہ چمکتی اگر کہیں بجائے بے مایہ و بے بضاعت عم محترم ابوطالب کے۔ خدانخواستہ آپ کی نگرانی مکہ کے ساہوکار عبدالعزیٰ المشہور بہ ابی لہب کے سپرد ہوتی لیکن شیر کے بچے لومڑی کے کھٹوں میں نہیں پالے جاتے۔ جس قطرہ کی قسمت میں موتی بننا ہوتا ہے۔ وہ گھونگھوں اور مینڈکوں کے منہ میں نہیں گرتا۔

غریب ابوطالب کی کفالت سے اس کے برہانی وجود میں کیا ضعف پیدا ہوتا جس کے متعلق شاید بہتوں کو علم نہیں۔ کہ مدتوں ابوطالب کی گزران ان قراریط (سکوں) پر تھی جو بکریوں اور اونٹوں کے چرانے کے صلے میں ان کا یتیم بھتیجا مکہ والوں سے مزدوری میں پاتا تھا۔ کیسی عجیب بات ہے کہ جو اپنے حقیقی بچوں کی پرورش کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکتے تھے اور اسی لئے مجبوراً اپنے بیٹے جعفرؓ کو عباسؓ کی، اور علیؓ کو اس کی گود میں ڈال دیا جن کی گود میں وہ پلنے کے لیے پیدا ہوئے تھے تو پھر یہ کیسا بے بنیاد وہم ہے کہ جس کو خود قدرت کا ہاتھ براہِ راست پال رہا تھا اس کی پرورش کی تہمت اس کے سر جوڑی جاتی ہے جس کی اگر سمجھا جائے تو شاید عمر کا ایک بیشتر حصہ اسی کے بل بوتے پر گزرا جو ان کا پروردہ سمجھا جاتا ہے۔

دیکھو جس طرح وہ ایسے ملک میں پیدا ہوا اس کے پاس بھی کچھ نہیں تھا لہٰذا وہ، اس کا دماغ اس کا دل، اس کی طبیعت اپنی قوم سے کیا لیتی جبکہ خود ان کے پاس کچھ نہ تھا اور اگر کچھ تھا بھی تو جو باہر کا حال تھا وہی ان کے اندر کی کیفیت تھی بلکہ شاید ان کے دل ان پہاڑوں سے زیادہ سخت ان کے دماغ ان میدانوں سے زیادہ چٹیل تھے ان میں ان کی صحبتوں میں رہنے والوں کے اندر سنوار سے زیادہ بگاڑ پیدا ہوتا تھا۔

یہ حال تو اس وقت کا ہے جب اپنی قوم سے آپ ؐ کچھ لے سکتے تھے، لیکن جب قدرت نے اس کو جس نے، جس کے دماغ نے، جس کے قلب نے، جس کی عقل نے، جس کی طبیعت نے، محسوس قوتوں میں سے، کسی سے قطعاً کچھ نہیں لیا تھا اسی کو ساری دنیا میں، ان سب چیزوں پر بانٹنے پر مامور کیا جو آج تک کسی کو نہ کسی سے نہ ملا، نہ آئندہ مل سکتا ہے۔

آنے والے تو ہمیشہ اس وقت آتے ہیں، ان میں آتے ہیں جب جانے والا جا بھی چکے، لیکن آیا آنے والا، جو اس شان کے ساتھ آیا کہ بجائے جانے کے وہ آگے ہی بڑھتا رہا، بڑھ رہا ہے، گنجائش ہی کیا ہے کہ اس کی جگہ دوسرا آئے۔

جس طرح وہ بھیجا گیا، جن صفات و کمالات کے ساتھ بھیجا گیا اسی شان اسی آن کے ساتھ چمکتے ہوئے آفتاب اور دمکتے ہوئے سورج کی مانند ہم میں وہ اسی طرح موجود ہے، ہر جگہ موجود ہے ہر خطہ میں موجود ہے، اس کا وجود مغرب میں بھی اسی طرح نمایاں ہے جس طرح مشرق میں وہ آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے، شاہوں کے قصور اور غریبوں کے کلبہائے دیجور دونوں کو روشنی بانٹ رہا ہے اور یکسانی کے ساتھ بانٹ رہا ہے وہ سب کے لیے برابر ہے سب کے لیے یکساں ہے، وہ فضا میں بھری ہوئی ہوا ہے جس میں سب سانس لیتے ہیں اور وسعت کون و مکان کا وہ نور ہے جس میں سب چلتے ہیں چلتے ہیں، پھولتے ہیں، پھیلتے ہیں۔

اس کی ضرورت جتنی چھٹی صدی کے باشندوں کو تھی اتنی ہی ضرورت اس وقت تک باقی ہے پھر جب تک پیاس ہے پانی چھلکے گا، جب تک بھوک ہے روٹی معدوم نہ ہوگی، آخر اس وقت کیا تھا جو اب نہیں ہے، یہ سچ ہے کہ دنیا اپنے خالق سے ٹوٹ کر اس زمانے میں مخلوقات کے اندر غرق تھی لیکن کیا آدم کی اولاد تباہی کے اس گرداب سے نجات پا چکی ہے؟

آیا دجزیروں کے اس جنگل میں جہاں آفتاب نکلتا ہے (جاپان) اور مشرق کا وہ گنجان خطہ جہاں بنی نوع انسان کی سب سے بڑی آبادی ہے، کیا جاپان وچین کے باشندوں کی اپنے مالک سے صلح ہو چکی ہے جو ان ممالک کی اکثریت، ابھی بھی اسی طرح اپنے مالک سے روٹھی ہوئی ہے جس طرح اس کے آباؤ اجداد روٹھے ہوئے تھے۔

غریب مشرق تو پسماندگان کا ملک ہے لیکن جن کی پیش گامیوں کا ڈھنڈورا اس زور سے پیٹا جا رہا ہے کیا یورپ کے ان باشندوں کی سمجھ سیدھی ہو چکی ہے؟ جن خلقتوں کی ایجاد جن خلقتوں کی ایجاد و تخلیق کی انہیں توفیق بخشی گئی وہ بھی بجائے توفیق بخشنے والے کے خود اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے ان تخلیقات کو اپنے دلوں میں

نہیں ٹھہائے ہوئے؟ یقیناً ان کے قلوب ان جدید مخلوقات کی انتہائی عظمت سے اسی طرح لبریز ہیں جس طرح ان کے بزرگوں کے دل پرانی مخلوقات کے احترام سے معمور تھے۔

پہلوں کی عقل کو سورج کی شعاعوں نے، آگ کے شعلوں نے خیرہ کیا تھا تو کیا پچھلوں کے بینول سے برق کی قوتوں، سٹیم کی طاقتوں، پیٹرول کی توانائیوں نے چکا چوند نہیں لگائی۔ بزرگوں کے کارناموں نے اگر پہلوں کو ان بزرگوں کی پتھر کی کھودی ہوئی مورتیوں کے آگے جھکا دیا تھا تو پچھلوں کے لیڈروں، زعیموں اور قائدوں کے کاموں نے ان کے سٹیچو اور فوٹو کے ساتھ ان کی ساری قوت عزت و فلاح کو وابستہ نہیں کیا ہے؟۔

تم کہتے ہو کہ پہلوں نے انسانیت کو ذلیل کیا جو سب سے اونچا تھا وہ سب سے نیچا اسفل سافلین کے درجہ پر پہنچا دیا گیا، بلاشبہ یہی ہوا اور یہی ہونا بھی چاہیئے کہ خالق ایک ہے مخلوقات لامحدود ہیں پس جس نے اس ایک کو چھوڑا اس کو ہر ایک سے جوڑنا پڑے گا جو جھکنے ہی کے لیئے ہے اُسے جھکنا ہی پڑے گا، لیکن اس کے آگے جھکا تو سب اس کے آگے جھکیں گے اور اور جس نے ایک کے آگے سر ٹیکنے سے انکار کیا۔ دیکھو! وہ ہر ایک کے آگے سر ٹیکنے پڑے ہیں۔ ملائکہ کے آگے، جن کے آگے انس کے آگے، نباتات کے آگے حیوانات کے آگے

"یہی وہ عذاب ہے جو آخرت سے پہلے ان کو دنیا میں چکھنا پڑا چکھ رہے ہیں برضا و رغبت چکھ رہے ہیں"۔

مگر کیا انسانیت کی یہ توہین صرف پہلوں میں تھی، پرانوں نے خالق کے معبود ہونے سے انکار کیا، بیشک اس کے صلہ میں انہیں بندر کو مسجود بنانا پڑا، لیکن جن لوگوں نے اپنے تئیں اللہ کی مخلوق ہونے میں شک کیا مت آج بندر کے مولود ہونے کا اپنی زبان سے کیوں اقرار کر رہے ہیں۔ جس نے بندر کو معبود بنایا بلاشبہ اس نے انسانیت کو رسوا کیا لیکن جس نے خدا کی مخلوق ہونے سے انکار کر دیا کہ بندر کے مولود مسعود ہونے پہ فخر کیا، کتابیں لکھیں دلائل قائم کیے، قائم کر رہے ہیں، انسانیت کی خواری میں انہوں نے کوئی کمی کی ہے۔

سچ تو یہ ہے جو ہر چیز کی قیمت لگاتے ہوئے یکایک چیخ اٹھتے ہیں کہ انسانیت کی کوئی قیمت نہیں ہے سب انسان کے لیئے ہیں۔ لیکن انسان کسی کے لیئے نہیں، کسی مقصد کے لیئے نہیں، کیا اس نے انسانیت کو ان عفونتوں اور غلاظتوں سے بدتر نہیں ٹھہرایا۔ جب انہوں نے کہا کہ انسان اپنے خدا اور خالق کے لیئے نہیں ہے تو کیا اس کے بعد ثابت کر سکتے ہیں کہ انسان کسی کے لیئے ہے بھی؟

پانی کا کیا بگڑے گا اگر آدمی نہ ہوں؟ ہوا کیوں
رک جائے گی اگر آدمی نہ ہوں، آفتاب میں کیا داغ
آئے گا اگر آدمی نہ ہوں حتیٰ کہ سڑک کے کسی سنگریزہ
اور جنگل کے کسی تنکے کا کیا نقصان ہے اگر آدمی
نہ ہوں؟ یعنی مخلوقات کے اس طویل وعریض سلسلہ
میں انسان کسی کے لئے بھی نہیں۔ اب اگر وہ اپنے
خالق کے لیئے بھی نہیں ہے تو اس سے زیادہ عبث
بے نتیجہ، فضول، مہمل بیہودہ ہستی اور کس کی ہو
سکتی ہے؟ اس رسوائی سے بڑی رسوائی، اس
ہتک سے بڑی ہتک اور کیا ہوسکتی ہے۔

الحاصل جو کچھ اُس وقت تھا،
جہاں تک سوچو گے قریباً کسی نہ کسی شکل
میں تم اس وقت بھی اسے پاؤ گے پس
آنے والا کیسے جا سکتا ہے، جب تک
کہ وہ سب نہ جائے جس کے لئے وہ آیا
تھا، بلکہ اس کی ضرورت تو اس کے بعد
بھی رہے گی کہ یہ تو تخریب ہے، لیکن کیا
تعمیر بغیر معمار کے ممکن ہے؟

اور یہی میرا مقصد تھا جب میں نے سب سے پہلے
کہا تھا کہ یہی آنے والا ہے جو آنے ہی کے لیئے
آیا ہے۔ پھر جس رنگ میں وہ آج ہم میں موجود
ہے، اس کی ضرورت موجود ہے ان کو دیکھ کر اب
بھی کوئی شک کر سکتا ہے کہ آنے کے بعد وہ نہیں
گیا۔ اور جب تک اس کی ضرورت ہے نہیں جائے
گا، تھا، ہے، رہے گا، ابد تک رہے گا، اور
اس کے لیئے یہی مقدر ہے۔

اللھم صل وسلم وبارك علی سیدنا محمد
عبدك ورسولك النبی وعلی آلہ وازواجہ
امہات المومنین وعلی ذریتہ وعلی المومنین
والمومنات والمسلمین والمسلمات کما سلمت
وبارکت علی سیدنا ابراھیم وعلی آل سیدنا
ابراھیم فی العالمین انك حمید مجید

پس اے اخوان عزیز!

جاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو اجتباکم
وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم
ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھٰذا
لیکون الرسول شھیداً علیکم وتکونوا شھداء
علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ
واعتصموا باللہ ھو مولٰکم فنعم المولیٰ
ونعم النصیرہ

کوشش کرو اللہ کی طرف بلانے میں کوشش کا
پورا حق ادا کرتے ہوئے اسی نے اے امت اسلامیہ
تم کو چن لیا ہے۔ اور تم پر دین میں کوئی تنگی
نہیں فرمائی یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین
ہے اسی نے تمہارا نام مسلمین رکھا پہلے بھی اور
اس میں بھی (کوشش کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ رسول
تمہارے نگران رہیں گے اور تم دنیا کے نگران رہو گے
پھر لوگو! نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو اور
زور سے پکڑ لو اللہ کو وہی تمہارا آقا ہے پھر کتنا اچھا
آقا، کتنا اچھا مددگار۔

جب تک جانے کے لیئے آنے والے آتے رہتے اشخاص جاتے تھے لیکن جب وہ آیا جو آنے ہی کے لئے آیا تو اس کے طفیل میں اس کے ساتھ شخص نہیں بلکہ ایک اُمت ہی چُنی گئی۔ پہلے شخص مبعوث ہوتے تھے اب ایک اُمت ہی مبعوث ہے، یہی اس امت کا اصل منصب اور فریضۂ حقیقی ہے جب تک وہ اس منصب پر قائم رہے گی اور انسانوں کی نگرانی کرے گی اس وقت تک اس اُمت کے رسول بھی اس امت کے نگران رہیں گے۔

پس جب تک حتیٰ لا تکون فتنة ویکون الدین لله نہ ہو تھک کر بیٹھنے کے کیا معنی ہو سکتے ہیں۔ وثیقہ ہے

ھو الذی ارسل رسولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہٗ علی الدین کلہ

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ سارے دین پر وہ غالب ہو۔

اور دیکھو کہ لا مذہبیت پر، مذہبیت غالب ہے چند پیشہ ور کتاب سازوں اور سبق فروش معلموں کو جانے دو، جو وساوس بافی کی روٹی کھاتے ہیں۔ عام فطرت انسانی پر مذہب کی گرفت اسی طرح سخت ہے جس طرح ہمیشہ سے تھی۔

سچ یہ ہے کہ انسانی دماغ کی جو ذہنی ساخت ہے اس میں اتنی تنگی یا پستی کس طرح پیدا ہو سکتی ہے کہ ماضی و مستقبل کے انجام کے فیصلہ کے بغیرہ اپنی زندگی گذارے، کہاں سے آیا ہوں ؟ کہاں جارہا ہوں ؟ کیوں آیا ہوں ؟ جس چلنے والے کے سامنے ان سوالات کے جواب نہیں ہیں، کیا وہ ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتا ہے بہر حال کم از کم اس وقت تک تو دنیا میں لامذہبیوں سے زیادہ بہت زیادہ بہت ہی زیادہ تعداد مذہبی لوگوں کی ہے اور مذاہب میں ہر حیثیت سے جو وزن اسلام کو حاصل ہے کسی کو نہیں ہے پس اس کا منطقی نتیجہ کیا یہی نہیں ہوا کہ لا مذہبیت پر مذہب غالب اور تمام مذاہب پر اسلام غالب اس لیئے سب پر اسلام غالب ہے۔

جب مسلمان اپنی نگرانی دوسروں کے سپرد کر کے رسولِ کریمؐ کی نگرانی سے اس وقت محروم ہیں، اس زمانہ میں بھی اسلام کے غلبہ کا یہ حال ہے، تو کیا حال ہوگا جب دنیا کے نگران بنکر رسولِ کریمؐ کی نگرانی کی سعادت مسلمان حاصل کر لیں گے کچھ نہیں کوئی کام نہیں، جب تک اصل کام نہ ہوگا کسی کام میں کوئی برکت نہ ہوگی بہت آرام لے چکے، تھکن مٹ چکی، کام بہت باقی ہے کام کرو تاکہ چونکنے والے چونکیں اور ذرا کی اس "بانگ" پر چل پڑیں

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

وقتِ فرصت ہے کہاں کام ابھی باقی ہے
نورِ توحید کا اتمام ابھی باقی ہے

(النبی الخاتم)

بارگاہِ نبوی میں

الطاف حسین حالی

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

جو دیں کہ بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے
پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے

جس دین کے مدعو تھے کبھی قیصر و کسریٰ
خود آج وہ مہمانِ سرائے فقرا ہے

وہ دین، ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں
اب اسکی مجالس میں نہ بتی نہ دِیا ہے

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا مٹانے
اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوعِ بشر تھا
اب جنگ و جدل چار طرف اس میں بپا ہے

جس دین کا تھا فقر بھی اکسیر غنا بھی
اس دین میں اب فقر ہے باقی نہ غنا ہے

عالم ہے سو بے عقل ہے، جاہل ہے سو وحشی
منعم ہے سو مغرور ہے مفلس سو گدا ہے

چھوٹوں میں اطاعت ہے نہ شفقت ہے بڑوں میں
پیاروں میں محبت ہے نہ یاروں میں وفا ہے

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی
ہے اس سے یہ ظاہر کہ یہی حکمِ قضا ہے

دیکھے ہیں یہ دن اپنی ہی غفلت کے بدولت
سچ ہے کہ بُرے کام کا انجام بُرا ہے

فریاد ہے اے کشتیٔ امت کے نگہبان
بیڑہ تو تباہی کے قریب آن لگا ہے

ہم نیک ہیں یا بد ہیں آخر ہیں تمہارے
نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے

عزّت کی بہت دیکھ لیں دنیا میں بہاریں
اب دیکھ لیں یہ بھی کہ جو ذلت میں مزا ہے

ہاں حالیؔ گستاخ نہ بڑھ حدِ ادب سے
باتوں سے ٹپکتا تری اب صاف گِلا ہے

ہے یہ بھی خبر تجھ کو کہ ہے کون مخاطب
یاں جنبشِ لب خارجِ آہنگِ خطا ہے

روشنی کا مینار

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالئے اُونچی اُونچی عمارتوں سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجئے۔ یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کہیں جیتی جاگتی تھی۔ مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجئے۔ اور سانس روک کر آہٹ لیجئے کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل ڈھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟ زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی، چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی تھی۔ انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سؤر اور بھیڑیے، بکریوں اور بھیڑوں کو پھاڑے کھا رہے تھے۔ بدی، نیکی پر۔ رذالت، شرافت پر۔ خواہشات عقل پر۔ پیٹ کے تقاضے، رُوح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے۔ لیکن اس صورت حال کے خلاف اس لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج تھا

انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر آتی تھی؟ ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی۔ بادشاہ وزیر، غریب وامیر اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے۔ اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے کوئی ایسا بھی تھا؟ جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلہ سے بُلند ہوا اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لیے کافی نہیں، یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی۔ اس لیے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لیے پیدا کی گئی۔ میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی رُوح کو کس طرح فروخت کر سکتا ہوں۔

قوموں اور ملکوں کے، اور ان سے گذر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے چھوٹے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے۔ اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان، جن کو سرفرازی اور سربلندی کے بڑے اُونچے دعوے

تھے۔ بالشتیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے۔ کسی کو ان میں گھٹن اور تنگی محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع دنیا اور اس سے زیادہ وسیع دنیا اور اس سے وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا۔ زندگی ساری سود وسودا مکر وفن بن کر رہ گئی تھی۔ انسانیت، ایک سرد لاشہ تھا جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز، اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی۔ انسانیت کی سطح پر خود رو جنگل اُگ آیا تھا ہر طرف جھاڑیاں تھیں، جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے۔ یا دلدلیں تھیں جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں۔ اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، ہر طرح کا شکاری پرندہ اور ان دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی۔ لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا۔ جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اُوپر اور خانقاہوں اور عبادت خانوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے۔ یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے۔ اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

دفعتاً انسانیت کے سرد جسم میں گرم خون کی ایک رَو دوڑی۔ نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ جن پرندوں نے اسے مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا۔ ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم سے بجھ گئی۔ زمانۂ حال کا مؤرخ اس کو اس طرح بیان کرے گا۔ کہ انسانیت کی اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا۔ لکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا، اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا۔ زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں۔ تو پیغمبر کی آمد سے کسریٰ وقیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہو گا زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ ہے۔ جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا۔ اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے چھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گیئں۔ جتنی اس پیغام لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے اعلان سے ہلائی گیئں۔ اور دنیا کے بلید ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی جیسے ان لفظوں سے پڑی وہ غصّہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا۔ اجعل الالٰھۃ الھا واحدا ان ھذا الشیٔ عجاب

(کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے
تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے
تھے اڑا کر ایک ہی معبود و مقصود رکھا ہے
یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے)

اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے۔ اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔

وانطلق الملاء منھم ان امشوا واصبروا علی الھتکم ان ھذا لشیئ یراد

(ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے
کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں
پر جمے رہو یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات
معلوم ہوتی ہے)

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی۔ جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی اس کا مطلب تھا، جیسا آج تک سمجھا جاتا رہا یہ دنیا کوئی خود رو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے۔ اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ گل سر سبد جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے بے مقصد نہیں کہ کھل کر مرجھا جائے۔ انسان کے جوہر انسانیت کی اس کے خالق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے

کہ یہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور شکست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی اس کے لیے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچۂ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت، اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی تکلیف کوئی حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے انسانیت کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خود شناسی، رضائے الہٰی کی طلب اور اس کی زندگی اس کی جدوجہد ہے انسان کو کسی روح، کسی مخفی و فرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت، کسی جاہ و عزت کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں اس کے سامنے سرنگوں اور سر بسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیات و محسوسات اور جسم اور پیٹ کی حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ انہوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے، ہر نئے شخص کو اسی پیمانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان کو انہی کے سامنے رد کر دیتے تھے، انہوں نے بڑے غور و فکر اور ذہانت سے کام لیا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے اس سے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرداری اور بادشاہی کے، یا عیش و عشرت کے طالب ہیں۔ انصاف کیجیئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانہ کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس سے زیادہ بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ دراصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی سچی نمائندگی اور اس نے جو کچھ کہا وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جو جواب دیا وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے اس سے زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس... زمین سے، آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لیئے فکرمند نہیں بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لیئے بے چین ہیں۔ آپ اس دنیا میں اپنے لیئے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لیئے داخل کرنا چاہتے ہیں آپ اپنی سرداری کے لیئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر وہ تمام دنیا میں پھیل گئی، اس کے سفیروں نے، جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح، اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے قیصر و کسریٰ کے بھرے دربار میں کہہ دیا کہ "ہم کو اللہ نے اس کام کے لیئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں" ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے اس کو جاری کر کے دکھایا۔ ان کی معیاری حکومت کے زمانہ میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا، بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا، ان کے حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے، معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا "لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد

پیدا ہوئے تھے تم نے ان کو کب سے غلام بنا لیا،،
ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں اس شان سے رہتا تھا کہ لوگ اسے مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے۔ اور وہ اسکو انکے گھر پہنچا آتا تھا۔ ان کا دولتمند سے دولتمند انسان اس طرح زندگی گذارتا تھا۔ کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اسکی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی نظر کسی اور زندگی پر اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

اس اُمت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسم لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان تھا۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر بھی اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا تھا کہ طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت ہے۔ اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی دوسری زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آتا تھا تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی تھی۔ مرتا تھا تو اسی شہادت اور مظاہرہ کے ساتھ اسکو رخصت کیا جاتا تھا، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سوتا یا غرق ہو جاتی اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت نظر نہ آتی، اسکی ایک اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی کہ نہیں، جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک اور روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح بازار کا شور اس نعرۂ حق کے سامنے دب جاتا ہے اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پہ دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا تھا اور یہ چلتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی دفعتًا موت کی اس بستی میں زندگی کا چشمہ اس طرح اُبلتا جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو اور الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا نیا پیغام ملتا جب کسی طاقت وسلطنت کا کوئی فریب خوردہ انا ربکم الاعلیٰ اور مالکم من الٰہ غیری کا نعرہ لگاتا تو ایک غریب موذن اسی کی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کہکر اس کے دعوئی خدائی کا تمسخر اُڑاتا اور اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کر حقیقی بادشاہ کی بادشاہت کا اعلان کردیتا، اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا۔

مادی زندگی کا کوئی شعبہ مومن کے دم سے قائم نہیں، وہ اگر کسی ملک سے چلا جائے تو اس کی ظاہری زندگی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔ دنیا جس طرح کھاتی کماتی ہے، کھاتی کماتی رہے گی، انسان جس طرح جیتے مرتے ہیں جیتے مرتے رہیں گے مگر یاد رہے کہ زندگی کی روح نکل جائے گی اور وہ ایک بے جان جسم ہو کر رہ جائے گی۔

عقل کے اس بتکدے میں جہاں خود پرستی اور شکم پرستی کے سوا کچھ نہیں، وہی ایک مجذوب ہے جس کے عشق و مستی سے اس عالم میں گرمی و ہنگامہ ہے اگر وہ نکل جائے تو دنیا صرف تجارت کی منڈی اور زندگی کا نقطہ نا ؤ نوش ہے زندگی کے اس گمان آباد میں وہی ایک صاحب یقین ہے جس کا یقین ٹوٹے ہارے دلوں کا سہارا اور ناکامی اور نا امیدی کا سمندر میں ڈوبنے والوں کے لئے کنارہ ہے۔ خود غرضی اور خود طلبی کے اس بازار میں وہی ایک صاحب ایثار ہے جو اپنی جان پر کھیل جاتا ہے اور اپنا سرمایہ دوسروں کو لٹا دیتا ہے، بے حس انسانوں کی دنیا میں جو سینہ میں دل کی جگہ پتھر کی سل رکھتے ہیں، وہی ایک صاحب محبت ہے جو سارے جہان کا درد اپنے جگر میں رکھتا ہے اور اپنے سوز سے خود ہی جلتا اور پگھلتا رہتا ہے ہر زمانہ میں فقر پر امارت کو، گدائی پر بادشاہی کو آخرت پر دنیا کو، ادھار پر نقد کو، غیب پر شہود کو، ایمان پر جان کو قربان کرنے کی اس میں سب سے زیادہ ہمت ہے۔ اس پر کسی ملک کا احسان نہیں کہ اس نے اس کو مہمان بنایا اور رہنے کو جگہ دی اس کا ہر ملک پر احسان ہے کہ اس نے اس کو توحید خالص کا پیغام سنایا، انسان دوستی اور عدل و مساوات کا سبق پڑھایا، انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکالا، غریب امیر، اونچ نیچ کو ساتھ ساتھ بیٹھنا سکھایا عورت کو اس کا حصہ دلایا۔ اور اس کے ساتھ انصاف کرنا سکھایا انسانیت کا احترام کرنا بتایا یا زندگی کا زیادہ سے زیادہ بامعنی، انسانیت کا زیادہ سے زیادہ بلند اور دنیا کا زیادہ سے زیادہ وسیع تصور بخشا، نسل پرستی، دولت پرستی شاہ پرستی سے نجات دلائی ترک دنیا، تجرد، نسل کشی آدم بیزاری اور لکھوکھا ہزاروں برس کے اوہام اور مفروضات کا طلسم توڑا، عقل کو بندھنوں سے آزاد کیا یہ علم پر سے پابندیاں اٹھائیں، دین پر سے نسلی اور خاندانی اجارہ داری کو ختم کیا، ذاتی عمل اور کوشش کی اہمیت واضح کی، آج دنیا علم و عقل کی جس منزل پر ہے کون نہیں جانتا کہ یہ اسی کی جگر سوزی کا نتیجہ ہے جو کبھی انسانیت کا قافلہ سالار تھا۔ آج یورپ علم و عقل میں دنیا کا استاد بنا ہوا ہے کون نہیں جانتا کہ اندلس کی نگاہ نے صدیوں اس کی تربیت کی ہے اور حیوانات کی سطح سے اس کو بلند کیا ہے۔

مسلمان کسی قوم و نسل، اور اسلام کسی رسم و رواج اور کسی ترکہ و میراث کا نام نہیں۔ وہ ایک دعوت و پیام ہے، ایک سیرت اور زندگی ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کی نظر مادیات و محسوسات اور جسم و جان سے تعلق رکھنے والی محدود دنیا سے زیادہ وسیع ہو، اس کی ہمت شکم پری اور تن پوشی کی سطح سے بلند ہو، اس کا گھر ایک وطن کی چار دیواری سے زیادہ وسیع ہو، اس کا دل انسانیت کے احترام سے معمور ہو، اسکی ہمدردی، قوم و نسل کے حدود اور ملک و وطن کے قیود سے آزاد ہو، اسکی تگ و دو اور پرواز موت ہی تک نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس جسم کے ساتھ قلب و روح کی تسکین کا سامان بھی ہے اس کے پاس وہ ایمانی طاقت اور اخلاقی

تعلیم ہے جو اندھیرے اُجالے، مجمع و تنہائی، فقیری اور بادشاہی، بے بسی اور اختیارِ مطلق میں پابند قانون رکھ سکتی ہے۔ اس کے پاس ظن و تخمین اور قیاسات و تجربات کی بجائے علم کی پختہ بنیادیں اور محکم اصول ہیں، جو ہر زمانہ اور ہر ملک میں جاری ہو سکتے ہیں اس کے پاس مختلف الحال انسانوں، اور مختلف زمانوں کی رہنمائی کے لیے ایک جامع اور مکمل ہستی کی محفوظ زندگی ہے جس کے علم و عمل کا سرچشمہ قیاس و تجرید اور جذبات و خواہشات نہ تھے، جو ہر زمانہ کو معتدل زندگی، متوازن تمدن اور جامع انسانیت کا پیغام دے سکتی ہے ظاہر ہے کہ دنیا کو اپنی ترقی اور تنزل کے ہر دور میں اور ملک کو ہر انقلاب میں ایسی جماعت کی اعانت اور رہنمائی کی ضرورت ہے، اور ہر حصہ میں اس کا وجود مبارک ہے، جو اس پیغام کی حامل اور ان صفات سے متصف ہو، ایسی جماعت کا وجود کسی حصۂ زمین میں بھی کسی کی رعایت اور احسان نہیں بلکہ خالق کائنات کا عین منشا اور زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔

جب رات کی تاریکی دن کی روشنی کو چھپا لیتی ہے جب ہوا و ہوس کا لشکر ہر طرف سے اُمڈ آتا ہے، جب ایک انسان اپنے پیٹ کی خاطر اپنے بھائی کا گلا کاٹتا ہے، جب قومیں اپنی انانیت اور تکبر میں کمزور قوموں کو ہضم کرنے لگتی ہیں، جب دولت کا بت علانیہ پوجنے لگتا ہے، جب وطن اور قوم کی دیوی پر انسان بھینٹ چڑھنے لگتا ہے، جب انسان اپنی قوت و دولت کے نشے میں خدائی کا دعویٰ کرنے لگتا ہے، جب ذخیرہ اندوزی اور نفع بازی کی مصیبت سے انسان دانہ دانہ کو ترسنے لگتا ہے، جب نفس کی آگ بھڑکتی ہے اور دل کی روشنی بجھتی ہے، جب موت کا خیال دل سے بالکل نکل جاتا ہے، جب زندگی کے بازار میں ذی روح انسان کی قیمت گر جاتی ہے اور بے جان دھاتوں اور جمادات کی قیمت بڑھ جاتی ہے جب عریانی اور بے حیائی کا دور دورہ ہوتا ہے اور وہ علم اور آرٹ بن جاتے ہیں۔ جب اغراض و خواہشات کے سوا دنیا میں کسی کی حکومت معلوم نہیں ہوتی اور تمام دنیا میں فساد پھیل جاتا ہے تو روحِ کائنات اس مردِ خدا کو آواز دیتی ہے ؎

خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

(بشکریہ ماہنامہ الفرقان)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ راستے سے کانٹے روڑے اور مضر رساں چیزیں جیسے (کیلے کا چھلکا وغیرہ) اٹھانا الگ کر دینا بھی صدقہ ہے اور اس صدقہ کا ثواب فوت شدہ لوگوں کو بھی پہنچایا جا سکتا ہے۔ اپنے فوت شدہ ماں باپ بہن بھائی کو بھی اس کا ثواب پہنچا سکتا ہے۔

الحاج شیخ محمد حبیب الرحمٰن
ایس، پی (ریٹائرڈ) لاہور

حسنت جمیع خصالہ

اللہ تعالیٰ جل شانہ، سید المرسلین خاتم النبیین، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو ایسے حسین و جمیل سانچے میں ڈھالا ہے کہ چودہ صدیاں گذر جانے کے بعد بھی سیرت نگار اور مورخین آپؐ کے محاسن و کمالات کا مکمل طور پر احاطہ کرنے سے عاجز و قاصر نظر آتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ کوئی تعجب کی بات، ہاں اگر تعجب ہے تو اس بات کا کہ احسن الخالقین اپنی تخلیق کے اس احسن تقویم شاہکار پر خود بھی اس قدر نازاں اور فریفتہ ہے کہ اپنی ستائش و فریفتگی کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا، ظاہر ہے کہ آپؐ کی حیات طیبہ کا علم حق تعالیٰ سے بہتر اور کس کو ہو سکتا ہے، لہذا وہی آپ کا حقیقی قدردان بھی ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ آپ کی سیرت پاک کا بہترین سیرت نگار خود ربّ جلیل ہے اور قرآن مجید اپنی دیگر بے شمار خصوصیات کے علاوہ، سب سے محترم مستند، سچی اور جامع ترین سیرۃ النبیؐ کی کتاب بھی ہے۔

ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آپؐ کے ظہور قدسی سے نہ صرف یہ کہ ایوان ہائے قیصر و کسریٰ زمین بوس ہوئے بلکہ خداوندانِ باطل کے سر ہائے پُر غرور ہمیشہ کے لئے خاک میں مل گئے آتش کدے بجھ گئے اور صنم خانوں کا شیرازہ بکھر گیا اور ہر شعبۂ زندگی نور توحید سے جگمگا اٹھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفر و شرک کا نام و نشان مٹانے، پرچم توحید بلند کرنے، دینِ حق کو تمام ادیان پر غالب کرنے، مکارم اخلاق کی تکمیل کرنے فتنہ و فساد کی آگ بجھانے ظلم و جبر کی جگہ امن و اخوت عام کرنے امر معروف اور نہی عن المنکر کا درس دینے کتاب و حکمت سے بہرہ ور کرنے اور نفوس انسانی کا تزکیہ کرنے میں جس جذبہ جاں نثاری، سر فروشی ایثار و قربانی فدائیت شجاعت عزم و ہمت اور مستقل مزاجی کا ثبوت دیا اور جہاد فی سبیل اللہ میں جو سعی بلیغ فرمائی وہ بے نظیر و بے مثال ہے

خالق کائنات نے اپنے پیارے حبیبؐ کا ذکر قرآن کریم میں نہایت ہی درخشندہ و تابندہ اور عجیب باوقار

انداز سے فرمایا ہے کہیں آپ کو مزمّل اور مدثر کہہ کر پکارا کہیں یٰسٓ، حٰمٓ اور طٰہٰ جیسے حسین ناموں سے مخاطب فرمایا، کہیں عزیزٌ، حریصٌ، رؤف، رحیم کے اوصاف جمیلہ سے نوازا کہیں سراجِ منیر کے خطاب سے محترم کیا کہیں خلقِ عظیم اور رحمۃ للعالمین کی صفات جلیلہ سے ممتاز فرمایا، کہیں آپ کے طریقۂ عبادت و ریاضت کو معیار تقرب الٰہی قرار دیکر یگانۂ روزگار بنایا اور کہیں آپ کی اطاعت اور متابعت کو محبت الٰہی کے حصول کے لیے شرط اولین ٹھہرا کر مکرم و معظم کر دیا۔

در اصل اللہ کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال ایمان، شان عبودیت اطاعت و بندگی خلوص نیت حسن عمل، رضائے مولا کی طلب فدائیت کی تڑپ، بندگان خدا کے ساتھ جذبۂ رحمت و شفقت۔ اور نظام معاشرت میں اخوت و مساوات اور عدل و انصاف پر ایسا یقین کامل اور اس قدر اعتماد کُلّی تھا کہ مالک و خالق نے آپ کی اطاعت آپ کے فیصلہ کو اپنا فیصلہ، آپ کے حکم کو اپنا حکم اور آپ کی رضا کو اپنی رضا قرار دیدیا۔

اسی طرح جب حکومت الٰہیہ اور خلافت ارضی کی طرف یہ اسلامی قافلہ رواں دواں ہوا تو روز جزا سے قبل اور حیات دنیوی کے اختتام کا انتظار کئے بغیر اکرم الاکرمین نے آپ کی مغفرت کا مژدۂ جانفزا سنایا عرش نورانی پر آپ کا بڑا پرتپاک خیر مقدم فرمایا یہ اور معراج انسانیت پر فائز کر کے اپنے قرب خاص کی سعادت نصیب فرمائی، اپنے دیدار سے مشرف کیا، ہم کلامی کا شرف بخشا، بہشت بریں میں مقام محمود کی بشارت سے سرخرو فرمایا اور بالآخر آپ کو حیات جاوداں اور شہرت دوام بخش دی رب جلیل نے آپ کے ذکر جمیل کو ورفعنالک ذکرک کے اعزاز سے ابد الآباد تک کے لیے بلند فرمایا اور آپ کے طریقۂ زندگی کو "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کی سند عطا فرما کر اپنی پسندیدگی کی گویا مہر تصدیق ثبت فرما دی۔

آپ اس بے مثال و لاثانی شرف و امتیاز اور قدر و منزلت کے یقیناً حقدار تھے، عام انسان تو کُجا، جلیل القدر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی آپ سے بہت پیچھے رہ گئے آپ نے اپنی مختصر سی تیئیس سالہ نبوی زندگی میں تاریخ انسانی کا دھارا ہی موڑ کر رکھ دیا، سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد عبادات، معاملات اور اخلاقیات کا ایسا پسندیدہ پاکیزہ اور جامع تصور پیش فرمایا جس نے حیات انسانی کے ہر شعبہ میں نہایت خوش آئند اور حیرت انگیز انقلاب برپا کر دیا یہ انقلاب کسی ایک بستی یا ایک قوم یا ایک ملک کا نہ تھا بلکہ ایسا ہمہ گیر تھا جس نے عرب و عجم کو یکساں طور پر جھنجوڑا اور خواب غفلت سے بیدار کیا اور ظلمت کدۂ انسانیت کو سراج منیر بن کر ایسا چمکایا کہ گویا چمنستان عالم میں بہار تازہ آگئی اور انسانیت کا ہر پہلو نور توحید سے جگمگا اٹھا۔

آپ کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کی اہمیت تو اس سے عیاں ہے کہ ہم اپنے خیال کے مطابق عقائد و عبادات، اخلاقیات و معاملات کا خواہ کتنا ہی خوشنما

انداز اختیار کریں، لیکن جب تک اللہ کے حبیبؐ کی تائید اور سند حاصل نہ ہو وہ عند اللہ مقبول ہی نہیں ہوسکتا اس لئے آپ کے اسوۂ حسنہ کی ہمیں ہر ہر عمل میں حاجت ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے دین کے تمام شعبوں کی ایسی اصلاح اور تکمیل فرمائی اور ایسا نکھار بخشا کہ ذی شعور انسانوں کے لیے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ چھوڑی۔ ہر معاملہ میں اس کی عملی تصویر آپ نے خود پیش کی اور ان کے شرائط ولوازم شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمائے۔

خالق کائنات نے حضورؐ کی بعثت کو انسانیت پر احسانِ عظیم سے تعبیر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"اللہ نے مومنین پر بڑا احسان فرمایا کہ انہیں میں سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے قبل وہ صریح گمراہی میں تھے

(آل عمران ۱۶۴)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی غرض وغایت کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"اے نبیؐ بیشک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ (امت پر) گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کو) بشارت دینے والے اور (کفار کو) ڈرانے والے ہیں اور (سب کو) اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والے ہیں اور آپ "سراج منیر" (روشن چراغ) ہیں

(الاحزاب ۴۵ تا ۴۶)

آپ تمام نوعِ انسانی کے لیے نوید امن پیغام آزادی اور پیام رحمت بن کر تشریف لائے "اے پیغمبر! ہم نے آپکو نہیں بھیجا مگر رحمتہ للعلمین بنا کر یعنی اس لیے کہ تمام دنیا کے لیے رحمت کا ظہور ہو" (انبیاء)

آپؐ کے رحمتہ اللعلمین ہونے کا ایک آیت مبارکہ میں اس طرح ذکر فرمایا۔

"(رسولؐ) اللہ کا رسول اس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے اور ان پھندوں سے نکالے گا جن میں وہ گرفتار ہوں گے" (الاعراف)

اسی طرح سورۂ توبہ میں آپ کا ایک وصف یہ بیان فرمایا

"تمہاری تکلیف ان کو گراں گذرتی ہے وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں اور مومنین پر تو نہایت شفیق و مہربان ہیں (توبہ ۱۲۸)

چنانچہ تاریخ عالم کے جتنے بھی اوراق آپ اُلٹ کر دیکھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب ذوالجلال والاکرام کے ان اعلانات کی صداقت پر اعتبار اور ہر پہلو سے درست ثابت ہوتی چلی جاتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ہر عمل، عمل خیر اور معیار رحمت ہے آپ کے کریمانہ مزاج کا اندازہ تو اسی وقت ہوگیا تھا جب سب سے پہلی وحی الہٰی کے نزول کے وقت حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپ کو یہ کہہ کر تسلی دی

"خدا کی قسم۔ اللہ تعالےٰ آپ کو کبھی ناکام نہ کرے گا اس لیے کہ آپ عزیزوں کے حقوق ادا کرتے ہیں۔

بے سہاروں کا سہارا بن جاتے ہیں، ناداروں کی مدد فرماتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مصیبت زدوں کی اعانت فرماتے ہیں" (بخاری شریف)

آپؐ نے فکر و نظر کے تمام جاہلانہ زاویے تبدیل کرڈالے اور وحدہٗ لاشریک سے منسلک کرکے لاکھوں انسانوں کو اسی کا پرستار بنایا اور صرف اسی ایک خدا کے سامنے سجدہ ریز ہونا سکھایا، آپؐ نے انہیں اس راز سے بھی آشنا کیا کہ وہ مجبور محض بنا کر دنیا میں نہیں بھیجے گئے بلکہ اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق تمام اولاد آدم یکساں حیثیت کی مستحق ہے۔ آپؐ نے بلال حبشی، صہیب رومی، سہیل شامی زید بن حارثہ اور ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو جس رفعت اور اوجِ کمال سے سرفراز کیا مہذب دنیا آج تک اس کی ادنیٰ سی جھلک پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آپؐ نے معلم انسانیت کی حیثیت سے اکرام انسانیت کا درس دیتے ہوئے فرمایا۔

"لوگو! تم آپس میں بھائی بھائی ہو، سب اولاد آدمؑ ہو۔ اور آدمؑ مٹی سے پیدا کئے گئے تھے تم میں سے ہر شخص اپنے دوسرے بھائی کی توقیر کیا کرے، ایک دوسرے کا کوئی خون نہ بہائے بلکہ باہمی ایسا احترام کیا کرو۔ اور آپؐ کے اخلاقِ حمیدہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔

"اور آپؐ "خلق عظیم" یعنی بہترین اخلاق سے آراستہ ہیں۔"

اسی طرح جب اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ سے ایک صحابی رسولؐ نے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ "آپؐ کا اخلاق قرآن تھا" یعنی آپؐ قرآن کریم کی زندہ جاوید عملی تفسیر تھے۔"

جیسا کہ حرم پاک کا احترام کرتے ہو، اس تربیت کا یہ اثر ہوا کہ قبیلوں، خاندانوں اور رنگ و نسل کے بُت پاش پاش ہو گئے اور اخوت و مساوات کا رواج اور چلن ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کا نظریہ حیات پیش کرتے ہوئے ذہن نشین کرایا کہ یہ دنیا کی زندگی محض عارضی ہے اور چند روزہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی ابدی اور پائیدار ہے، اس مادی زندگی سے بیشک پوری طرح فائدہ حاصل کرو مگر یہ خیال رکھو کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں کے ہر اچھے بُرے عمل کا حساب لیا جائے گا کیونکہ حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں (انفرادی یا اجتماعی، معاشی یا معاشرتی یا سیاسی) جو اسلام کے دائرۂ عمل میں نہ آتا ہو، دین اسلام ایک مکمل دستور حیات ہے اسی لئے یہ حکم فرمایا گیا کہ "اے ایمان والو۔ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ (البقرہ ۔ ۲۵)

نیز آپ نے یہ تعلیم بھی فرمائی کہ اس دین کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر انسان اپنے ہر انفرادی یا اجتماعی عمل کا میدانِ حشر میں خدا کے سامنے جوابدہ ہوگا یعنی حقوق العباد کی ادائیگی میں بالخصوص انسان اجتماعی ذمہ داریوں کا بھی مکلف بنایا گیا ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

"آگاہ ہو جاؤ کہ تم میں سے ہر ایک شخص چرواہا ہے

اور ہر ایک سے اس کے گلے کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی" (بخاری شریف)

معاشرتی برائیوں کی اصلاح کے سلسلہ میں یہ نظریہ اختیار فرمایا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام تاجر بن کر نہیں آتے تھے نہ ہی بڑے زمیندار بن کر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری طرف یہ وحی نہیں آئی کہ میں مال جمع کروں یا تاجر بن جاؤں، بلکہ میری طرف اس امر کی وحی آئی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی تسبیح کہوں اور ساجدین (سجدہ گذاروں) سے ہو جاؤں اور اللہ تعالےٰ کی عبادت اس وقت تک کروں کہ موت آجائے۔ ظاہر ہے کہ جب دامن کے داغ دُھل جائیں اور نفس کی خواہشات مٹ جائیں تو اللہ تعالےٰ کی محبت دل میں بس جاتی ہے اور پھر محبت الٰہی سے صرف دل ہی منور نہیں ہوتے بلکہ سارا اردگرد کا ماحول بھی اس سے متاثر ہو کر جگمگا اُٹھتا ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی میں خیانت کے مرتکب ہونے والوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لیئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے" (بخاری و مسلم)

نیز ارشاد فرمایا:۔

"اے آدمؑ کے بیٹے! پورا حق ادا کر جس طرح تو چاہتا ہے کہ تیرا حق پورا ادا کیا جائے اور عدل و انصاف کر جس طرح تو چاہتا ہے کہ تیرے ساتھ عدل و انصاف ہو"

حضورؐ نے تاجروں کو ہدایت فرمائی کہ:

"اے تولنے والو ہمیشہ جھکتا تول تولا کرو"

(ابو داؤد ترمذی)

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:۔

"جس شخص نے اپنی عیبدار چیز کا عیب ظاہر کیئے بغیر اسے فروخت کر دیا وہ ہمیشہ خدا کے غضب کے نیچے رہے گا اور اس پر فرشتے لعنت بھیجتے رہیں گے"۔

حضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے سماجی اور معاشی نظام میں بھی ایک سنہرے باب کا اضافہ فرمایا۔ آپ نے گردش دولت کا اصول نافذ فرمایا، تقسیم وراثت، وصیت کی حد بندی، سود کی ممانعت اور " زکوٰۃ وصدقات کے احکام جاری فرما کر انفاق فی سبیل اللہ کی راہیں کھولیں تاکہ دولت کسی ایک طبقہ ہی نہ گھومتی رہے، آپ نے فرمایا کہ اپنی جائز ضروریات سے زائد چیزیں اپنے دوسرے ضرورت مند بھائیوں میں تقسیم کر دیا کرو، نیز یہ بھی واضح فرمایا کہ وہ شخص ہرگز مومن نہیں ہو سکتا جو خود پیٹ بھر کر کھائے پیئے مگر اس کا ہمسایہ فاقے کی حالت میں بھی بھوکا پیاسا موجود ہو۔

"آپؐ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ" اپنا مال وہ ہے جو تم (غربا کو دیکر) آگے بھیج دیں اور وارثوں کا وہ ہے جو پیچھے رہ جائے"

اور یہ بھی ہدایت فرمائی کہ "دنیا میں یوں رہو گویا تم غریب الوطن ہو یا کوئی راہی"

آنحضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق نسواں کا

بھی ایسا تحفظ فرمایا کہ نوزائیدہ معصوم بچیاں زندہ درگور ہونے سے محفوظ ہوگئیں اور انھیں بھی زندہ رہنے کا حق مل گیا عورتوں کی عزت و ناموس کی نگہداشت کا ایسا نظام رائج فرمایا کہ ماں بیٹی اور بیوی کے جداگانہ حیثیت اور الگ الگ حقوق و فرائض متعین ہو گئے اور انہیں بھی معاشرت میں عزت و احترام کا مقام عطا ہوگیا۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب رسالت سے سرفراز کیا گیا تو آپؐ کے نام لیواؤں پر ایسے مظالم ڈھائے گئے کہ آج بھی اس کا تصوّر کرنے پر روح کانپ اٹھتی ہے، آپؐ کے جسم اطہر پر نجاست پھینکی، کبھی راستے میں کانٹے بچھائے، کبھی تمسخر اڑایا اور جب بازار طائف سے گذرے تو پتھر مار مار کر آپؐ کو لہولہان کر دیا۔ لیکن آپ نے نہ بدلہ لیا اور نہ بددعا کی، بلکہ یوں فرمایا ”اے اللہ میری قوم کو ہدایت فرما، یہ مجھ کو جانتے نہیں۔“

اسی طرح جب آپؐ مکہ میں بحیثیت فاتح داخل ہوئے تو آپ ستانے والوں، بربادی چاہنے والوں اور قاتلوں پر پوری طرح غلبہ پانے کے باوجود ان کے لیے سراپا شفقت و رحمت بن جاتے ہیں، چنانچہ اعلان فرمایا کہ جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند رکھے اس کے لئے امن ہے، جو خانہ کعبہ میں داخل ہو جائے وہ امن میں ہوگا، جو بغیر ہتھیار چلے گا اس کے لئے امن ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو کفار کے سابق سپہ سالار ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوگا وہ بھی امن میں ہوگا۔ یہ ابوسفیان وہی ہیں جو ہمیشہ لشکر اسلام کے خلاف صف آراء ہوئے اور فتح مکہ سے ذرا پہلے ایمان لائے تھے، عفو و درگذر کا یہ دلکش باب تاریخ میں اور کہیں نہیں ملتا، آپ نے فرمایا ”تم سے آج کوئی بازپرس نہیں۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

آپؐ کی رحمت مسلم و غیر مسلم سب کے لئے عام تھی، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہمارے سامنے سے ایک جنازہ گذرا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے، آپ کے ساتھ ہم بھی اٹھ گئے، ہم نے کہا یا رسول اللہ ”وہ تو یہودی کا جنازہ تھا“، آپ نے فرمایا، کیا وہ انسان نہ تھا، جب کوئی جنازہ تمھارے سامنے سے گذرے تو تم اٹھ جایا کرو“ میں دونوں جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

حضور سرورؐ کائنات نبی ہونے کے علاوہ عرب کے سربراہ مملکت بھی تھے، لیکن آپؐ نے کبھی یہ پسند نہ فرمایا کہ لوگ آپ کے خوف سے کانپتے رہیں۔ آپؐ تو پیکر رحمت و محبت تھے، آپ طاقت سے نہیں محبت سے حکمرانی فرماتے تھے، ایک روز ایک شخص پہلی بار حاضر خدمت ہوا، وہ حضورؐ کے رعب و جلال سے کانپنے لگا آپؐ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گھبراؤ نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی“

آپ کی شجاعت کی مختلف روائیتیں احادیث میں آئی ہیں، جنگ کے وقت آپ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا پگھل جائے لیکن نماز میں آپ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشکبار ہو جاتی تھیں، آپ نہایت صادق القول پابند عہد

وسیع القلب اور تواضع کے پیکر جمیل تھے، چنانچہ ایک
مغربی مفکر باسورتھ سمتھ نے اعتراف کیا تھا کہ "ہمیں
ایسا اور کوئی شخص نظر نہیں آتا جس کے گرد و پیش
کے حالات اس قدر بدل چکے ہوں لیکن اس کی دل کی
کیفیت نہ بدلی ہو، باہر کے واقعات بدل کر کچھ کے کچھ ہو گئے
مگر آپ کا اصل جوہر تمام حالات میں ایک ہی نظر
آتا ہے"۔

اسی طرح ایک اور یورپی مورخ میجر لیونارڈ لکھتا ہے
کہ "اگر کبھی کسی انسان نے اپنی زندگی خدا کے لئے ایک اچھے
اور پاکیزہ جذبے کے تحت وقف کی تو یقینی طور پر وہ انسان
پیغمبر عربی ؐ ہی ہیں......" اور

یہ سراج منیر رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم
کی ذات ستودہ صفات ہی ہے جو کائنات
کے لئے انعامات الٰہیہ میں سے سب سے بڑی
نعمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ اللہ کریم نے
آپ کی بعثت کو اپنا "احسان عظیم" فرمایا۔
آپ نے علم و ہدایت کی وہ شمعیں روشن کیں
کہ ظلم و جہالت کے بادل چھٹ گئے اور شعور
و بیداری عام ہو گئی، اونٹوں اور بھیڑ بکریوں
کے چرانے والوں اور بوریا نشینوں نے بادشاہوں
کے تخت و تاج الٹ دیئے، جابر حکمرانوں
کے گریبان چاک کر ڈالے اور ان کے محلات
کے وارث بن کر ارض الٰہی پر متوازن اور
عدل و انصاف پر مبنی ایسی حکومت الٰہیہ
قائم کی آج تک اقوام عالم انگشت بدنداں ہیں،
حضور ؐ کا مشن اللہ کے دین کو زندگی کے تمام میدانوں
میں جاری وساری اور غالب کرنا تھا، آپ نے تمام نظام انسانی
کو دین الٰہی کے تابع کرنے کے لئے جدوجہد فرمائی آپ
نے دلوں کی دنیا کو نئے سرے سے آباد کیا۔ حرص و ہوس
کی چالیں درست کیں، روحانی بیماریوں کا شافی علاج کیا جذبات
و احساسات کی تطہیر فرمائی، معاش و معیشت کی ترکیب سنواری
اور ایک نہایت پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی داغ بیل ڈال کر
اسے پروان چڑھایا۔

جس اس وقت جب دنیا کے حکمران آپ کو شہنشاہ عرب
کہہ کر پکارتے تھے آپ ؐ کھجور کی چھال کا تکیہ لگائے کھردری
چٹائی پر بیٹھے درویش نظر آتے ہیں، ایک دن حضرت عمرؓ
کاشانۂ نبوت کے سامان کا جائزہ لیتے ہیں تو حضور ؐ کے
جسم اطہر پر چٹائی کے نشانات دیکھ کر آپ رو پڑتے ہیں کہ
قیصر و کسریٰ باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہیں اور شہنشاہ
کونین ؐ اس حالت میں ہیں لیکن معلم انسانیت ؐ نے فرمایا،
" اے عمرؓ! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ دنیا
کے مزے لوٹیں اور ہم آخرت کی سعادت" آپ کی
حیات مبارکہ کا ہر پہلو پاکیزہ اور روشن اور ہر ادا
قابل تقلید اور دنیوی فلاح اور نجات اخروی کا یقینی
ذریعہ ہے، اس لئے آپ کا حکم تھا کہ میرے ہر قول
و عمل کو ایک دوسرے تک پہنچا دو، خلوت خانوں
میں جو سنو اسے جلوت میں برملا بیان کر دو، حجروں
کو ٹھڑیوں میں جو کہتے سنو اسے چھتوں پر چڑھ کر
لوگوں کو سنا دو۔ اسی لئے آپ کی زندگی کا ہر پہلو
محفوظ اور سب کو معلوم ہے اس میں راز یہ ہے کہ ہر

شخص کو آپ کی اتباع میں آسانی میسر آجائے۔ کہ یہی تو محبت الٰہی کے حصول کی بنیادی شرط ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے جامعیت کبریٰ کے عنوان کے تحت۔ کیا خوب فرمایا کہ ایک ایسی زندگی جو ہر طائفہ انسانی کے مختلف مظاہر اور ہر قسم کے صحیح جذبات اور کامل اخلاق کا مجموعہ ہو صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے، اگر تم دولت مند ہو تو مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو۔ اگر غریب ہو تو شعب ابی طالب کے قیدی اور مدینہ کے مہمان کی کیفیت سنو۔ اگر بادشاہ ہو تو سلطان عرب کا حال پڑھو۔

اگر رعایا ہو تو قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر فاتح ہو تو بدر و حنین کے سپہ وسالار پر نگاہ دوڑاؤ اگر تم نے شکست کھائی ہے تو معرکہ اُحد سے عبرت حاصل کرو۔ اگر تم استاد و معلم ہو تو صُفّہ کی درس گاہ کے معلم قدس کو دیکھو، اگر شاگرد ہو تو روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جاؤ۔ اور اگر واعظ و ناصح ہو تو مدینہ کی مسجد کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتیں سنو؟

اسی طرح آپ آگے لکھتے ہیں،،

"اگر تم نوجوان ہو تو مکہ کے ایک چرواہے کی سیرت پڑھو، اگر عدالت کے قاضی اور پنچائیتوں کے ثالث ہو تو کعبہ میں نور آفتاب سے پہلے داخل ہونے والے ثالث کو دیکھو جو حجر اسود کو کعبہ کے ایک گوشہ میں کھڑا کر رہا ہے، مدینہ کی کچی مسجد میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھو جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا امیر و غریب برابر تھے۔ اگر بیویوں کے شوہر ہو تو خدیجہؓ اور عائشہؓ کے مقدس شوہر کی حیات پاک کا مطالعہ کرو۔ اگر اولاد والے ہو تو فاطمہؓ کے باپ، اور حسنؓ و حسینؓ کے نانا کا حال پوچھو"

غرضیکہ تم جو کوئی بھی ہو تمہاری زندگی کے لئے نمونہ تمہاری سیرت کی درستی و اصلاح کے لیئے سامان ہدایت کا چراغ اور رہنمائی کا نور حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اعلیٰ ترین نمونہ اور ذریعہ نجات ہے۔

آپؐ نے صحیح معاشرت اور صحیح معیشت کی ایسی تکمیل فرمائی جس نے انسانی اوہام اور خیالات فاسدہ کی بیڑیاں کاٹ ڈالیں، باہمی تعلقات کی گتھیاں سلجھائیں مایوسیوں کا علاج کیا دلوں کی ناپاکی اور زنگ کو اور زندگی کی مشکلات دور کرنے میں صحیح اور مؤثر راہنمائی فرمائی اور اصلاح و ہدایت کا عظیم الشان فریضہ احسن طور پر ادا فرمایا۔

مختصر یہ کہ آپ کا ہر عمل بزبان حال یہی کہہ رہا ہے کہ میں رحمت ہوں۔

جو ماسواء کی حد سے بھی آگے گزر گیا
وہ رہ نورد جادۂ اسریٰ تمہی تو ہو
دنیا میں رحمتِ دو جہاں اور کون ہے
جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تمہی تو ہو

آپؐ کا احسان تمام انسانیت پر سب سے زیادہ ہے آپ کی شکر گذاری ہم سب پر واجب ہے۔

اسی کا نام قرآن حکیم کی اصطلاح میں "صلوٰۃ و سلام" ہے

بلغ العُلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسُنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

گلہائے نعت

تدوین ——— پروفیسر باغ حسین کمال

فکیف الحیاۃ لفقد الحبیب و زین المعاشر فی المشھد
فلیت الممات لنا کلنا فکنا جمیعاً مع المھتدی

(حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)

ترجمہ: (محبوب کے بچھڑ جانے سے زندگی بے کیف ہوگئی ہے، زینت آرائے عالم قبر میں جا سویا۔ کاش ہم سب کو بھی موت آجاتی اور ہم بھی اس سراپا ہدایت سے جا ملتے)۔

فیا عینی ابکی ولا تسأمی
وحق البکاء علی السیّدی

(حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ)

" (اے میری آنکھ اپنے لگان روئے جا، سردار پہ رونا تیرا حق ہے)

امن بعد تکفین نبی و دفنہ
یا توابہ اسی علی ھالک ثوای

(حضرت علی المرتضیٰ)

" (نبیؐ کو کپڑوں میں کفن دینے کے بعد اس مرنے والے کے غم میں غمگین ہوں جو خاک میں جا بسا)

وانت لما ولدت اشرقت الارض
وضاءت بنورک الافق

(حضرت عباسؓ)

" (جب آپؐ کی ولادت ہوئی تو زمین چمک اٹھی، اور آپؐ کے نور سے آفاق روشن ہوگئے)

لنا شمس وللآفاق شمس
وشمسی خیر من شمس السماء

(حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا)

" (ایک آفتاب تو دنیا کا ہے اور ایک آفتاب ہمارا بھی ہے مگر میرا آفتاب، آفتاب آسمان سے کہیں بڑھ کر روشن ہے)

اغبر آفاق السماء وکورت ۔ شمس النہار و اظلم الازمان
فلیبکہ شرق البلاد و غربہا ۔ یا فخر من طلعت لہ النیران
حضرت فاطمۃ الزہرا

(ترجمہ: آسمان کی پہنائیاں غبار آلود ہوگئیں۔ اور دن کا سورج لپیٹ دیا گیا اور سارا زمانہ تاریک ہوگیا اب چاہیے مشرق و مغرب ان کی جدائی پر آنسو بہائیں، فخر تو ان کے لیے جن پر روشنیاں چمکیں)

واجمل منک لم تر قط عینی ۔ واحسن منک لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب ۔ کانک قد خلقت کما تشاء (حسانؓ)

(آپؐ سے حسین تر میری آنکھ نے نہیں دیکھا۔ اور آپؐ سے بہتر کسی ماں نے نہیں جنا، آپؐ ہر عیب سے یوں پاک کئے گئے ہیں گویا آپؐ اپنی مرضی کے مطابق پیدا ہوئے)

یا اکرم الثقلین یا کنز الوریٰ ۔ جُد لی بجودک وارضنی برضاک
انا طامع یا الجود منک لم یکن ۔ لابی حنیفۃ فی الانام سواک (ابو حنیفہؒ)

(اے ساری مخلوق سے بزرگ ترین! اے نعمتِ الٰہی کے خزانے! اپنی سخاوت سے مجھے بھی پسند فرمائیے، میں آپ کی سخاوت کا طمع کرنے والا ہوں، کیونکہ سوائے آپؐ کے ابو حنیفہ کا کوئی حامی نہیں)

نگینِ خاتمِ رسالت پیمبر عربی ۔ شفیعِ روزِ قیامت محمد مختار
اگر نہ واسطہ روئے و موئے او بودی ۔ خدائے خلق نگفتے قسم بہ لیل و نہار (سعدیؒ)

(خداوندِ کریم قرآنِ حکیم میں لیل و نہار کی قسم کھاتا ہے، یہ قسم صرف حضرت محمد مختار شفیعِ روزِ قیامت اور نگینِ خاتمِ رسالت کے روئے مبارک اور موئے مبارک کی وجہ سے کھائی گئی ہے۔

نسیما! جانبِ بطحا گزر کن ۔ ز احوالم محمدؐ را خبر کن
توئی سلطانِ عالم یا محمدؐ ۔ ز چشمِ لطف سوئے من نظر کن (جامیؒ)

(اے نسیم! جانبِ بطحا جا اور میرے احوالِ پریشان سے حضرت محمدؐ کو آگاہ کر۔ یا محمدؐ آپ تو شاہِ جہان ہیں مجھ مسکین کی طرف چشمِ لطف سے نگاہ فرمائیں)

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است (غالبؒ)

ترجمہ: (اے غالب! ہم حضورؐ کی تعریف خدا پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ذاتِ پاک ہی حضرت محمدؐ کے مقام و مرتبہ سے کما حقہٗ واقف ہے)

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ (اقبالؒ)

آؤ کہ ذکرِ حسنِ شہِ بحر و بر کریں
جلوے بکھیر دیں، شبِ غم کی سحر کریں
جو حسن میرے پیشِ نظر ہے اگر اسے
جلوے بھی دیکھ لیں تو طوافِ نظر کریں

(حافظ مظہر الدین)

تخلیق کے چہرے کی ضیا ہے تری ہستی
تہذیب کے ماتھے کا ہے جھومر تری سیرت
زیبائی افکار کا مصدر ترے انوار
رعنائی کردار کا جوہر تری سیرت

(حفیظ تائب)

ہے ذرہ ذرہ ان کی تجلی کا اک سراغ
آتی ہے پھول پھول سے نکہت حضورؐ کی
آنکھوں کو اپنی چومتا رکھ رکھ کے آئینہ
ہوتی اگر نصیب، زیارت حضورؐ کی

(احسان دانش)

نہ مرے سخن کو سخن کہو، نہ مری نوا کو نوا کہو
مری جاں کو صحنِ حرم کہو، مرے دل کو غارِ حرا کہو
میں لکھوں جو مدحِ شہِ اُمم، پر جبرئیل نبے قلم
میں ہوں ایک ذرۂ بے نام، مجھے آفتاب ثنا کہو

مظفر وارثی

وہ جو برسا مری آنکھوں کے صحراؤں پر
مرے وہموں کی شبِ تار میں چمکا بھی وہی
گرچہ پُرکارِ مشیّت کا وہی دائرہ ہے
لیکن اس دائرے کا مرکزی نقطہ بھی وہی

(احمد ندیم قاسمی)

خورشید کے جلوے ہیں ترے در کے بھکاری
دلگیر تری مطلعِ انوار ہے خواجہؐ
ہے نام ترا مونسِ جاں، جانِ دوعالم
بے نام علاجِ غمِ بیمار ہے خواجہؐ

(ساجد علوی

تھکی ہے فکرِ رسا اور مدح باقی ہے
قلم ہے آبلہ پا اور مدح باقی ہے
تمام عمر لکھا اور مدح باقی ہے
ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے

(ناصر کاظمی)

توں نقطہ تے سب مخلوقاں تیرے گرد ای دائرہ
دونہاں جہاناں دی تحریر دا توں ای ایں سرنانواں

(کمال)

محبین سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کا اجتماعی پروگرام

ضلع ملتان

(۱) ماہانہ اجتماع: ہر ماہ کا پہلا جمعہ صبح دس بجے ۔ جنرل حمزہ مسجد صدر چھاؤنی ۔ ملتان

(۲) ہفتہ وار اجتماع: (۱) سوموار بعد نماز عشاء جنرل حمزہ مسجد صدر چھاؤنی ملتان
(۲) جمعرات ۔ بعد نماز مغرب، مسجد حضرت غوث پاک
بہاؤالدین زکریا ملتانی رح قلعہ کہنہ ملتان شہر

(۳) روزانہ اجتماع:
بعد نماز عشاء جنرل حمزہ مسجد صدر چھاؤنی ملتان

الحاج محمد اسلم جاوید کمبوہ
مسلم آٹوز چونگی نمبر ۱۴ بدھ والہ روڈ ۔ ملتان

فون نمبر گھر ۳۳۲۲۰ دکان ۳۳۳۵۹

خواجۂ کونینؐ

میدانِ جنگ میں

تحریر: صادق حسین طارق ایم اے ۳۲ سگنل بٹالین راولپنڈی

ایک دفعہ حضرت عکرمہؓ یا بروایت امام غزالیؒ حضرت سعید بن ہشام نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے خلق نبوی کے متعلق سوال کیا جس کا جناب صدیقہؓ نے یہ بلیغ جواب دیا۔ کان خلقہ القرآن۔ یعنی اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق جمیلہ کا اندازہ قائم کرنا چاہتے ہو تو قرآن پر نظر ڈالو کہ قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی سرمدی صداقت کے دو رُخ ہیں چاہو تو ایک کو علم کا نام دو اور دوسرے کو عمل کا، ایک کو آفتاب ہدایت کہو تو دوسرے کو اس آفتاب کی تجلی ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن انسانی زندگی کے ہر پہلو کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اور انسانی زندگی کے لیے یہ ایک مکمل لائحہ عمل ہے تو کوئی وجہ باقی نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ مکمل و اکمل راہِ ہدایت پیش نہ کرتی ہو ہم یہ جانتے ہیں کہ زندگی ایک رزمگاہ ہے جس کی تمام ہنگامہ آرائیاں ایک اور صرف ایک مقصد کے حصول کے لیے جاری ہیں اور یہ مقصد وحید انسان کی تطہیر اور خدا کے نام کی تقدیس کے سوا کچھ نہیں اس عالم ہست و بود میں بدی نے ہمیشہ نیکی کو مٹانے کی کوشش کی ہے اور نیکی نے ہمیشہ بدی کو نابود کرنا چاہا ہے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی (اقبالؒ)

اس حقیقت کے پیشِ نظر جنگ و پیکار انسانی زندگی کا لازمہ ہیں، تو ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنگ و پیکار سے واسطہ پڑا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس ضمن میں سیرت پاک ہماری کیا راہنمائی کرتی ہے۔

جب ہم آپ کی حربی زندگی کا بنظرِ غائر مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ کو کفار کی ہلاکت سے ان کا اسلام قبول کرنا زیادہ عزیز تھا، اس حقیقت کو پیش کرنے کے لیے آپ کی زندگی سے کئی ایک نظائر و امثال پیش کئے جا سکتے ہیں، آپ چنگیز خان سکندر اعظم، ہلاکو، ہینی بال یا نپولین جیسے سپہ سالار نہ تھے جن کا مطلب و مقصد نوعِ انسان کو ہلاک کر کے مملکت کو قائم و دائم رکھنا تھا، بلکہ آپ پہلے پیغمبر ہیں بعد میں

سپہ سالار ۔ آپ خدا کے دین کو پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور جب فتنہ و فساد حد سے بڑھ جاتا ہے تو ہاتھ میں تلوار لیتے ہیں۔

بقول ہیوگو مارکس:

"آپ ہاتھ میں تلوار لیتے ہیں اور دشمنوں سے اس وقت تک جنگ کرتے ہیں جب تک وہ حق و صداقت کے لیئے سدِ راہ ثابت ہوں، لیکن جونہی فتح حاصل ہوتی ہے اور دشمن ہتھیار ڈال دیتا ہے آپ کے طرزِ عمل میں تغیر واقع ہوتا ہے، شکست خوردہ اور کمزور حریف اب دشمن نہیں رہتا اس کا خیر مقدم عفو و درگذر سے کیا جاتا ہے، نہیں بلکہ فاتح خود مفتوح کی دوستی کا خواہاں ہوتا ہے" ؎

لطف و قہر او سراپا رحمتے
ایں بہ یاراں، آں بہ اعدا و رحمتے

آپ مکہ معظمہ میں تیرہ سال تک مسلسل دن رات تبلیغ و اشاعتِ دین کرتے ہیں لیکن خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا آپ اپنا طریقِ کار بدل لیتے ہیں اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے یثرب کو ہجرت فرماتے ہیں صرف اس مقصد کے لئے کہ اہلِ مکہ کی طاقت کے گھمنڈ اور غرور کو توڑنے کے لئے طاقت کی ضرورت تھی وہ برتر قوت مکہ میں رہ کر حاصل ہونا ناممکن تھی لہٰذا آپ نے یثرب کو اپنا مسکن بنایا جس کو حربی لحاظ سے مندرجہ ذیل خصوصیات حاصل تھیں۔

۱۔ شہر کو پہاڑوں کی قدرتی فصیل حاصل تھی
۲۔ آب و ہوا عمدہ اور پیداوار وافر تھی۔
۳۔ عرب کے مرکز میں واقع تھا۔
۴۔ آمد و رفت کے راستے آسان تھے اور کم مسافت طے کرنی پڑتی تھی۔
۵۔ تجارتی شاہراہ پر واقع تھا۔
۶۔ حربی مہمات اور تبلیغی وفود دونوں کے لیئے مفید تھا۔

یثرب کو مرکز بنانا تھا کہ حربی تربیت، نظم و ضبط سلطنت اور بنائے ریاستِ اسلامی استوار ہونے لگی۔

آپ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد ستائیس غزوات میں شرکت فرمائی اور پینتیس مہمات (سرایا) روانہ فرمائیں یہ سب کچھ دس سال کے قلیل عرصہ میں وقوع پذیر ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن اپنے لاؤ لشکر، سامانِ حرب قوت و جبروت کے باوجود حربی اور ذہنی طور پر مفلوج ہو گیا اور خطۂ عرب نورِ اسلام سے منور ہو گیا اس عرصہ میں آپ نے ۲۷۴ مربع میل یومیہ کے حساب سے علاقہ فتح کیا اور کل دس لاکھ مربع میل رقبہ زیر تصرف لایا، ان تمام جنگوں میں اپنا ایک جان اور دشمن کا ڈیڑھ سو ماہانہ نقصان ہوا۔ اتنی عمدہ اور مکمل تسخیر اور اتنا کم جانی نقصان! کہیں پسپائی نہ کوتاہی!! کم وسائل و اسباب کے باوجود ہر محاذ پر فتح ہی فتح! یہ سب کچھ حالات ایک اعلیٰ قیادت اور کمان کی نشان دہی کرتے ہیں۔ دنیا کا کوئی فاتح اس قسم کے نتائج برآمد نہ کر سکا اور نہ کر سکے گا

آپ کے غزوات میں بے شک فریقین کی تعداد بہت تھوڑی ہوا کرتی تھی مگر اثرات اور نتائج کے لحاظ سے وہ نہایت دور رس حربی منصوبہ بندی اور عسکری تکنیک کے لحاظ سے منفرد اور بے مثل تھے آپ نے ہر غزوہ میں

حالات اور ماحول کے مطابق بنیادی حربی اصول اور جنگی ضوابط کو اس دانشمندی اور عمدگی سے استعمال فرمایا کہ بعد کے ماہرینِ جنگ نے ان اصولوں کو اپنا کر اپنی شہرت و عظمت کی عمارت تعمیر کی، اسلام کا سب سے پہلا معرکہ میدانِ بدر میں پیش آیا اس میں فریقین کی افرادی قوت ایک اور تین کی نسبت سے تھی اور کفار مکہ کو ہر طرح کی مادی برتری حاصل تھی اس کے باوجود کفار نے شکست کھائی۔ اس غزوہ میں آپ نے سیکیورٹی کا بدرجہ اتم خیال رکھا اور اپنے صحابہ کرامؓ تک کو یہ نہ معلوم ہونے دیا کہ قریش کی حربی قوت پر کاری ضرب لگانے کا پروگرام ہے مدینہ سے بدر تک کا راستہ خفیہ راستوں سے طے پایا دشمن کو اپنی پسند کے میدان میں لڑائی لڑنے پر مجبور کیا زمین اور موسم کے جغرافیائی حالات سے پورا پورا فائدہ اٹھایا جب دونوں طرف فوجیں صف آرا ہوگئیں تو جبینِ نیاز زمین پر رکھ دی اور فتح و نصرت کے لیئے خدائے تدبیر سے تائید و اعانت کی التجا کرنے لگے اور امتیوں کو سبق دے دیا کہ فتح و نصرت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

اب اُحد کے میدان میں اسلامی افواج بکھر چکی ہیں، دشمن کی افواج اب بھی تعداد میں تین گنا ہے لیکن آپ نے اپنی خود اعتمادی برتر جنگی صلاحیت، اعلیٰ تنظیم اور مقصد کی لگن کی بدولت چشم زدن میں حریف کو شکست فاش دی پھر جب مسلمان تیر اندازوں کے درّہ چھوڑ دینے کے باعث حالات پلٹ گئے تو آخر دم تک میدانِ جنگ میں قائم رہے اور قرآن مجید کی اس آیت مبارک کی مکمل تفسیر پیش کی:۔

"اے مومنو! جب میدانِ جنگ میں کفار سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ پھیرو" (سورہ انفال ۱۵)

دشمن باوجود وقتی کامیابی کے میدانِ جنگ سے پہلے چلا جاتا ہے، جب وہ واپس پیچھے ہٹا تو آپ نے جان نثاروں کا ایک گروہ ان کے تعاقب میں روانہ کیا تاکہ دشمن پر یہ ہیبت رہے کہ مسلمانوں میں اب بھی جنگ کی قوت اور طاقت موجود ہے۔ ساتھ ہی مرکز کی حفاظت مقصود تھی اگر آپ تعاقب میں فوج روانہ نہ فرماتے تو یقیناً قریش مدینہ پر حملہ کر کے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیتے۔ لیکن آپ کے بروقت اقدام نے ان کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ سیدھے مکہ روانہ ہوگئے، اس غزوہ میں آپ نے یہ مثال دی کہ جنگ میں ہزیمت و پسپائی کی صورت میں حالات سے کس طرح نبٹا جائے۔

احد کی غیر فیصلہ جنگ کے بعد آپ نے اندازہ کر لیا تھا کہ اب کفار مکہ اپنی پوری قوت کے ساتھ مدینہ پر حملہ آور ہوں گے اس لیئے آپ نے مدینہ کے دفاع کے اقدامات پر غور کیا۔ اور حضرت سلیمان فارسیؓ کی رائے کے مطابق خندق کھودی اور اہم مقامات پر فوجی دستے متعین کئے اب جو دشمن اپنی پانچ ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا تو اسے بالکل نئی صورت حال سے واسطہ پڑا۔ آپ نے جنگ کو اس قدر طول دیا کہ حملہ آور فوج پڑی پڑی اکتا گئی اسے رسد کی مشکلات درپیش آنے لگیں اور ان کے حوصلے پست ہوگئے اب بدظنی اور پھوٹ نے ان کے اندر راہ پائی۔ خدا کی کمک

کر آندھی اور طوفان آگیا جس نے ان کی باقی ماندہ جرأت و برداشت کو ختم کر دیا اور انہوں نے خود ہی راہ فرار اختیار کی۔

سنہ ۶ھ تک عرب کے قبائل کی مختلف شورشیں فرو ہوگئیں اور مدینہ کی اسلامی ریاست جنگی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے مستحکم ہوگئی تو آپ اپنے پندرہ سو جان نثاروں اور قربانی کے اونٹوں کو لے کر عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہوئے جب عسفان کے مقام پر پہنچے تو خبر ملی کہ کفار آپ کے روانہ ہونے کی خبر سن کر مکہ سے باہر نکل کر ذی طوی میں مقیم ہو گئے ہیں اور انہوں نے قسمیں کھا کر عہد کیا ہے کہ وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیں گے نیز ان کا رسالہ حضرت خالد بن ولید کی قیادت میں آپ کو روکنے کے لیے کراع الغمیم میں پہنچ چکا ہے یہ حالات صاف بتا رہے تھے کہ قریش مرنے اور مارنے پر تیار ہیں اب صحابہؓ کو تشویش ہوئی تو حضرت عمرؓ نے آپ سے ارادہ معلوم کیا تو آپ نے فرمایا، میں ان سے لڑنا نہیں چاہتا لیکن اگر اس دین کی حفاظت کے لیے جس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا ہے قریش نے مجھے لڑنے پر مجبور کیا تو میں ان سے لڑوں گا اور نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہوگا۔

اب آپ نے ذی الحلیفہ سے اپنا عام راستہ چھوڑ دیا اور پہاڑوں کے درمیان سے نہایت دشوار گزار راستے طے کرتے ہوئے حدیبیہ کے مقام پر قیام کیا (حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے جہاں اب شہر آباد ہو چکا ہے) اب میدان جنگ کا نقشہ کچھ اس قسم کا ہو گیا تھا کہ کفار کی فوج اور رسالہ شہر مکہ سے بہت دور جا چکے تھے اور ان کے اور مکہ کے درمیان آپ اپنے ساتھیوں سمیت موجود تھے اس وقت اگر آپ مکہ پر ہلّہ بول دیتے تو اسے تاراج کر لیتے لیکن آپ قول و فعل کے سچے تھے آپ عمرہ کی غرض سے آئے تھے اس لئے حملہ کی بجائے صلح کی گفتگو کا آغاز فرمایا جس میں اللہ نے برکت دی اور سلسلہ گفتگو صلح کے معاہدہ پر ختم ہوا۔ بے شک اس معاہدہ کو اکثر صحابہ کرامؓ اہل کفر کے غلبہ اور سربلندی سے تعبیر کرتے تھے لیکن پردۂ غیب کے پیچھے بساطِ تقدیر کسی اور ہی قرینے سے بچھائی جا چکی تھی آپ کو اپنی رحمۃ اللعالمینی کا ایک عظیم ثبوت مہیا کرنا تھا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فعل کو پسند فرماتے ہوئے فتح مبین کی خوشخبری سنائی۔

ابھی اس معاہدہ کو دو سال بھی نہ ہونے پائے تھے کہ قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو بکر سے مل کر بنو خزاعہ (جو مسلمانوں کے حلیف تھے) پر حملہ کر دیا بنو خزاعہ تاب مقاومت نہ لا کر کعبۂ مکرمہ میں پناہ گزین ہوئے لیکن بیت الحرام کی حدود مقدسہ کی عظمت و تکریم بھی ظالموں کی خونریز و خون آلود تلواروں کو نیام میں نہ کر سکی اور اللہ کے گھر میں "لا الہ الیوم" کے فرعونی و طاغوتی نعرے بلند ہوتے رہے جب آپ کو اس واقعہ کی خبر ملی تو آپ نے مجاہدین کو جنگ کی تیاری کا حکم دیدیا اور دس ہزار کا لشکر جرار لے کر سوئے مکہ روانہ ہوئے اور کسی کو خبر تک نہ ہوئی کہ آپ مضافاتِ مکہ میں پہنچ گئے ہیں رات کی روشنیوں نے سردارِ قریش ابوسفیان کو حیران و پریشان کر دیا اس نے امان چاہی اور اسلام قبول کر لیا۔ آج فتح کا دن تھا، عجیب و غریب فتح، نہ ظلم نہ بدلہ، بلکہ کفر و باطل پر بھی رحمت کی بارش ہونے والی تھی۔ آج اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیغمبر کے سر سطوتِ کبریٰ کا تاج

رکھ کر اسے دینی و دنیوی کامرانی کی ہونے والی تھی، آج اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیغمبر کے سر پر سطوتِ کبریٰ کا تاج رکھ کر دینی و دنیوی کامرانی کی اعلیٰ ترین معراج پر فائز کر دیا تھا آج مکہ کی فضاء نعرہ ہائے تکبیر کے غلغلے سے گونج و لرز رہی تھی اسلامی فوج تا بحدِ نظر ایک طوفان خیز سمندر کی طرح پھیلتی چلی گئی تھی جس کی ابلتی اور ابھرتی ہوئی موجیں ہر طرف سے بہتی اور اُمنڈتی آ رہی تھیں ایک ایک سپاہی نشۂ شجاعت میں میں چور سینے تانے ہوئے بلد الامین میں داخل ہو رہا تھا اور آفتاب صبح کی نورانی کرنوں میں مجاہدین کی کفر سوز تلواروں کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی ہزارہا جان نثار غلام جن کے قدموں کی دھمک سے زمین متزلزل ہو رہی تھی اس وقت پیغمبر اسلام کے گرد حلقہ زن تھے، مگر وہ عجز و فروتنی کی تصویر بنے اونٹ پر سوار کسی اور ہی جاذبہ سے سرشار تھے آج کوئی فاتح مفتوحہ شہر میں داخل نہیں ہو رہا تھا بلکہ خدا کا پیغمبر خدا کے گھر میں داخل ہو رہا تھا اور جب شہر فتح اور کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا تو آپ نے عجز و انکسار سے اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ دیا، اور فراغت پا کر آپ نے قریش سے خطاب کیا۔

"تم لوگ مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

اور ان گمراہوں نے اپنی زندگی میں شاید پہلی مرتبہ کیسا صحیح جواب دیا

"نیک سلوک کی ۔ کیونکہ آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں۔"

طبری رقمطراز ہے کہ قریش کے اس طرز کلام پر رسول اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپ نے ان سے فرمایا:

"آج میں بھی تم سے وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا"

آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو

اس جنگ میں آپ نے سر پرائز یعنی ناگہانیت، ایفائے عہد، دشمن سے نیک سلوک اور عجز و انکساری کا سبق دیا فتح مکہ کے ساتھ ہی لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا عرب نور اسلام سے منور ہو گیا۔

ادھر مکہ کی فتح تکمیل کو پہنچ رہی تھی کہ خبر آئی ہوازن اور ثقیف کے دو قبیلے متحد ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں اس کا بہترین جواب یہ تھا کہ آپ خود پہل کر دیتے چنانچہ آپ بارہ ہزار کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے آج تک کسی سپہ سالار کے تحت عرب میں اتنا عظیم لشکر جمع نہ ہوا تھا، یہ عظیم الشان نظارہ دیکھ کر ایک صحابیؓ سے ضبط نہ ہو سکا اور وہ پکار اٹھا۔

"اتنی بہادر اور کثیر فوج کو، جو آج ہماری ہے کوئی شکست نہیں دے سکتا"

اللہ جل شانہٗ کو یہ غرور نخوت پسند نہ آئی مسلمان جب وادی حنین میں داخل ہوئے تو سورج غروب ہو جاتا ہے آگے اوطاس ہے جہاں آپ نے اگلی صبح حملہ کرنا ہے لیکن درمیان میں رات حائل ہو جاتی ہے تو ہوازن قبیلہ کا سردار مالک رات کی تاریکی میں فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی فوج کو تقسیم کر کے اپنے سامنے کی دونوں پہاڑیوں پر چڑھا دیتا ہے، طلوع صبح کی روشنی دونوں طرف

تیروں کی برسات لاتی ہے۔ مسلمان شکنجہ کے دو جبڑوں میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ ہر طرف پریشانی و سراسیمگی کا عالم ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پرسکون ہیں ہر دو محاذوں پر فوج کو لڑاتے ہیں اتنے میں معلوم ہوتا ہے کہ ہوازن کا سردار بائیں طرف والی پہاڑی پر ہے آپ نئی صف بندی کر کے اس پر ٹوٹ پڑتے ہیں اور رات کے ہوتے ہوتے اہل ہوازن ہتھیار ڈال دیتے ہیں بلاشبہ یہ آپ کی ایک عظیم الشان فتح ہے جس میں آپ نے پامردگی، استقامت، جرأت وبسالت اعلیٰ حوصلگی اور تدبیر سے فتح پائی اور سبق دے دیا کہ ایسے حالات سپہ سالار کو کسی صورت میں پریشان نہ ہونا چاہیئے بلکہ نازک حالات میں دل و دماغ سے کام لیتے ہوئے جنگ کی بساط پلٹ دینی چاہیئے۔

ہم نے یہاں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند غزوات کا ذکر کیا ہے۔ جن میں یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر غزوہ اپنے اندر تیز دیرات اور فن جنگ کے اصولوں کو اصولوں کو سموئے ہوئے ہے، جن پر ٹھنڈے دل سے غور وفکر کرنے کی اور ان اصولوں کو اپنانے کی اشد ضرورت ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ غیروں نے ان سے استفادہ کیا اور ہم صرف ان کو پڑھتے ہی رہے عمل اور غور و فکر ہم سے کوسوں دور رہا۔ کاش کوئی صاحب ایمان غزوات وتزدیرات کا حق ادا کرے۔

قارئین کرام کی خدمت میں

"المرشد" میں مضامین بھیجنے کے لیئے مندرجہ ذیل پتہ پر رابطہ رکھیں۔

"دار العرفان" منارہ۔ ضلع جہلم

اُسوہ واصول کی ہم آہنگی

پروفیسر محمد اقبال جاوید

دنیا میں مصلحین کی کبھی کمی نہیں رہی، کوئی دور ایسا نہیں جب کوئی نہ کوئی ریفارمر کسی نہ کسی شکل میں جلوہ گر نہ رہا ہو مصلحینِ عالم کی طویل فہرست پر نظر ڈالنے سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ اہلِ علم و دانش بجز انسانیت کو صراطِ مستقیم دکھانے سے قاصر رہے اگر کسی کی کارکردگی قابلِ قدر بھی رہی تو محض جزوی تھی اور اس کا ثبوت وہ گمراہی ہے جو نبوتِ محمدیہ سے قبل کائنات کی افق پر ظلمت بن کر لہرا رہی تھی دنیا فاتحین سے بھی کبھی خالی نہیں رہی، ان کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے آفاق لرزتے رہے ہیں، وہ آئے اور ایک دنیا کو پامال کرتے ہوئے گزر گئے مگر فکر و دانش کی یخ بستگی میں اضطراب کی ایک لہر بھی پیدا نہ کر سکے، وہ بدستور بنجر مفلس، سوچ آوارہ اور ذہن پریشان رہے۔ تاریخ کے آئینے میں قانون دانوں کا بھی ایک جمِ غفیر نظر آتا ہے مگر ان کے تمام دساتیر و قوانین محض کاغذی دنیا کے حسین و جمیل کے نقوش تھے عملی زندگی سے انہیں دور کا بھی تعلق نہیں تھا، شاعروں اور ادیبوں سے بھی تاریخ کا کوئی دور محروم نہیں رہا شعر و سخن کے زلزلے گونجتے رہے دل کی دھڑکنیں صریرِ خامہ میں ڈھلنے کے لئے سعی کرتی رہیں سوزِ دل سازِ رگِ جاں بنتا رہا مگر قلم کے یہ سارے ولولے اور ذہن کی یہ ساری تابشیں گھٹا ٹوپ اندھیروں میں جگنو کی سی چمک بھی نہ لا سکیں، ان تمام مفکرین، مصلحین اور فاتحین سے الگ تھلگ ایک گروہ ہے جسے جماعت انبیاء کہتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فرستادہ تھے انہیں ہر دور میں کائنات کی ایک ہمہ گیر اصلاح کے لئے بھیجا گیا ان کی کوششیں کامیاب بھی رہیں۔ مگر ادھر کوئی نبی آنکھوں سے اوجھل ہوا ادھر انسانیت پھر پرانی ڈگر پہ چل نکلی ؎

آئینِ نو سے ڈرنا، طرزِ کہن پہ اڑنا !
منزل یہی کٹھن ہے، قوموں کی زندگی میں

انبیاء کی یہ جماعت دلوں کو پھیرتی، ذہنوں کو بدلتی اور فکر و نظر کی تطہیر کرتی رہی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے رشد و ہدایت کے اس سلسلے کو اس شان سے مکمل فرمایا کہ کہ علم و دانش کے سبھی چراغ گل ہو گئے، فکر و خبر کی پہلی تمام قندیلیں دھواں دھواں نظر آنے لگیں شعر و حکمت کی تمام تابانیاں زرد ہو گئیں اور منطق و فلسفہ کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے اس لیے کہ جب آفتاب طلوع ہوتا ہے تو اس کی اولین کرن کے ساتھ ہی ماہتاب کا کنول مرجھا جاتا ہے ستاروں کی کہکشاں اجڑ جاتی اور بے جان ذروں کی دنیا چمک اٹھتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے ساتھ ہی تمام اصولِ پارینہ اور اقرارِ کہنہ منہ دیکھتے رہ گئے ؎

دنیا کی محفلوں کے دئے سارے بجھ گئے
روشن حبیب ان کی بزم کی قندیل ہو گئی

نتیجہ معلوم ہے کہ پہلے انبیاء کی تعلیمات کبھی منسوخ ہو گئیں اور تمام دین، دین حضورؐ میں جذب ہو کر رہ گئے آپؐ نے جو زندگی کا نظام پیش فرمایا وہ پریشان و گمراہ انسانیت کی رگوں میں یوں اتر گیا جیسے بادِ سحر گاہی کا نم شاخ گل کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ انبیاء کا مشن دیگر مصلحین سے ہمیشہ مختلف رہا ہے مفکرین صرف فکر دیتے رہے عمل کا نمونہ نہ دے سکے شاعر صرف چشم و گوش کو جنت عطا کرتے رہے مگر من کی دنیا کو نور عطا نہ کر سکے مقنن قانون کا ضابطہ دیتے رہے مگر خود عمل کا نمونہ نہ بن سکے، لیکن انبیاء نظریئے کے ساتھ عمل بھی پیش کرتے ہیں اور عمل کی یہی صلاحیت لوگوں کے دلوں میں تیر بن کر اتر جاتی ہے رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا آخری دستورِ حیات دیا جو زندگی کے ہر پہلو پر حاوی ہے جو مکمل تھا اور ہے اور اس مکمل ضابطۂ حیات کی ایک ایک شق کی عملی تفسیر، اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن ایک استعارہ ہے تو حضورؐ کی حیاتِ مطہرہ اس کی وضاحت ہے قرآن متن ہے تو حضورؐ کی سیرت اس کی تشریح ہے۔

اس الوہی قانونِ زندگی کو اگر ہم قرآنِ صامت کہتے ہیں تو حضورؐ قرآنِ ناطق ہیں حقیقت یہ ہے کہ سیرت رسولؐ قرآن ہی کی وضاحت ہے اور حضورؐ فکر و عمل کا ایسا حسین امتزاج کہ اس مکمل و اکمل امتزاج میں کسی اضافے کی ضرورت ہے نہ ترمیم کی گنجائش کیونکہ تکمیل کے بعد اضافہ و ترمیم بے سود ہیں۔

زندگی کا کوئی ضابطہ فکر کا کوئی پہلو اور سوچ کا کوئی نکتہ اس وقت تک بہترین نتائج پیدا نہیں کر سکتا جب تک اس کے ساتھ صاحبِ فکر کے اپنے عمل کا نمونہ نہ ہو جس کا اپنا دل سوزِ تپش سے خالی ہے وہ دوسرے دلوں کی ویران پگڈنڈیوں کو بہاروں کی رعنائی کیسے دے سکتا ہے گویا یہ عمل کا حسن ہے جو افکار کو برنائی اور خیالات کو زیبائی عطا کرتا ہے اور یہ افراد ہی ہوتے ہیں جو کائنات کا رُخ بدلتے، آندھیوں سے ٹکراتے اور ناقۂ بے زمام کو سوئے قطار لے جاتے ہیں۔
شخصیات ہنگامہ پرور بھی ہوتی ہیں اور ہنگامہ خیز بھی انقلاب آفرین بھی اور انقلاب انگیز بھی، اصول توان ہنگاموں کو ملفوف کرنے کی ایک ریشمی نقاب ہیں۔
دنیا کے نکتہ دروں، فلسفیوں، شاعروں اور ادیبوں کے چراغ اس لئے فروزاں نہ ہو سکے کہ ان کے پاس صرف نظریہ تھا، عمل نہ تھا اور حضورؐ انبیاء کی طویل فہرست کا مطلع بھی تھے اور مقطع بھی — اول بھی تھے اور آخر بھی، انہوں نے قرآن کو ایک ضابطے کے طور پر پیش کیا اور اس ضابطے کی عملی تکمیل اپنی سیرت سے کر دی نتیجہ معلوم کہ ان کے رخ کردار نے ان کے پیش کردہ دستور کو ازلی، ابدی اور عملی بنا دیا، اسوہ و اصول کی اس جامعیت نے اسلام کو ایک ایسا دین بنا دیا جو ہر شخص اور ہر دور کے لئے ہے ؎

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا ہزاروں کا سہی
اب جو تنہا تھا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ولادت سے وفات تک سب کی نگاہوں کے سامنے رہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اعلانِ نبوت فرمایا تو آپؐ کی پہلی زندگی کے سارے خدوخال ہر ایک کے سامنے تھے مگر کوئی ایک اشارہ بھی معترض نہ ہو سکا سخت سے سخت دشمن بھی اعتراف کرتا تھا کہ حضورؐ کی صداقت و دیانت ہر شک و شبہ سے بالا ہے حضورؐ کی سیرت کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ لحد سے مہد تک آپؐ کی زندگی کا ہر گوشہ اور ہر زاویہ ہر نگاہ کے سامنے رہا مگر سیرت کی پاکیزگی اور تقدس کے بارے میں کوئی ایک زبان بھی حرف گیر نہ ہو سکی۔

آپؐ کی زندگی کا ہر پہلو قابلِ تقلید اور ہر میدان میں آپؐ کی سیرت مشعلِ راہ ہے، آپؐ کی حیاتِ پر نور کا ایک ایک رُخ انسانی کردار و اعمال کی صحیح سمت متعین کرتا، راستہ بتاتا اور منزل کی آگہی دیتا ہے سلطان ہو یا امیر، شہنشاہ ہو یا گدا، بندہ ہو یا آقا، تاجر ہو یا آجر، مہاجر ہو یا انصار، مزدور ہو یا مالک ہر ایک کے لئے ہدایت کے نمونے موجود ہیں، فکر و نظر، علم و عمل جدوجہد اور کردار و افعال کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جو آفتابِ رشد و بصیرت سے اکتسابِ نور نہ کر سکتا ہو بات ظرف کی ہے کہ کوئی کیا لیتا ہے وہاں کمی کس بات کی ہے، توجہ طلب کی نوعیت کے مطابق بڑھتی گھٹتی اور بٹتی ہے ؎

یہیں سے پاؤں گا ہر نعمتِ دنیا و دیں ساقی!
کہیں کیوں جاؤں تیرے میکدہ میں کیا نہیں ساقی

خوشی اور غم زندگی کے دو پہلو ہیں، عالمِ مسرت میں آمنہ کا لالؐ اللہ کریم کے حضور سجدہ ریز نظر آتا ہے غم کے موقع پر بھی اس کی سیرت صبر و استقامت کا کوہِ گراں نظر آتی ہے، عزیز فرزند ابراہیمؑ فوت ہو جاتا ہے دل شکستہ ہے مگر زبان پر کلماتِ صبر و شکر رواں ہیں آنکھیں اشکبار ہیں کرب دل آنسوؤں میں ڈھلا کرتا ہے مگر لبوں پر حرفِ شکایت نہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ قدم قدم پہ بارگاہِ خداوندی میں سر کے ساتھ دل بھی جھک جاتا ہے۔

زندگی میں ہر انسان کو انفرادی اور اجتماعی طور پر کسی نہ کسی رنگ میں کوئی وعدہ، معاہدہ یا میثاق کرنا پڑتا ہے حضورؐ نے اپنی زندگی میں دشمنوں سے بھی معاہدہ کیے مگر انہیں ہر حال میں نبھایا، وعدے کا ایفاء ایک ایسی خوبی ہے جو حضورؐ کی زندگی کے آغاز ہی سے نمایاں نظر آتی ہے اعلانِ نبوت کے بعد یہ خصوصیت نکھر کر فطرت بن گئی تھی۔

ایک حکمران کے لیے حضورؐ کی سیرت ہدایت کا مینار ہے عرب کے صحرا سے جو سیلاب رنگ و نور ابھرا ایک دنیا پر چھا گیا وہ اپنے اندر جہاں بانی سے جہاں آرائی تک اور جہانگیری سے جہانداری تک ہر قسم کے اصول و ضوابط لئے ہوئے ہے، سیاست کے رموز زندگی کے آئین، حاکم کی ذمہ داریاں اور محکوم کے فرائض اور ہر بات اخلاق کی ایک ایسی بلندی کا اظہار کرتی ہے کہ قدم قدم پر خوفِ خدا نمایاں نظر آتا ہے۔

ایک فاتح اگر سیرت رسولؐ دیکھ لے تو اس کو مکہ ایک

ایسا فاتح عظیم نظر آئے گا جو فاتح ہے مگر اس میں غرور
رعونت کا شائبہ تک نہیں بلکہ عجز و انکسار اور رحمت و مروت
ہی اس کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔

ایک تاجر کے سامنے عرب کے اس عظیم انسانؐ کی زندگی
کا وہ رخ بھی موجود ہے کہ آپ تجارتی کارواں لے کر جاتے
ہیں تو دیانت، امانت اور صداقت کے ایسے نقوش ابھارتے
ہیں کہ بیگانے اپنے ہو جاتے ہیں منصف کو چاہیے کہ وہ خانہ
کعبہ میں حجر اسود نصب کرنے والے صادق اور امین کا کردار
دیکھے اور اس شخصیتِ عظمیٰ کا یہ قول پیش نظر رکھے کہ اگر
محمدؐ کی بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے گی تو اس کے ہاتھ
بھی کٹ جائیں گے، ایک ناصح، واعظ اور معلم کو حضورؐ
کے وہ ارشادات سامنے رکھنے چاہئیں جو مسجد نبوی سے
ابھرے اور ایک عالم کے نظامِ فراست و بصیرت میں تہلکہ
ڈال گئے۔ ایک یتیم کے لیے بھی سکونِ دل کے سامان موجود
ہیں کہ حضورؐ نے یتیمی کے عالم میں آنکھ کھولی حلیمہؓ کی
گود میں پلے اور تاریخ کے افق پر آفتاب بن کر چمکے ایک مزدور
کو بھی عرب میں ایک ایسا وجود نظر آئے گا جو خود پھاوڑا
چلاتا، خندق کھودتا، پتھر توڑتا اور مسجد کی تعمیر میں خود
گارا اٹھاتا ہے اگر کوئی غریب ہے تو اسے حضورؐ کی سیرت
کا وہ رخ سامنے رکھنا چاہیے جب عام الحزن میں سنگینیوں
اور تلخیوں کی ایک دنیا آپ کے جسم و جان پر بیت گئی تھی
ایک داعی کو طائف کا بازار، سامنے رکھتے ہوئے مصائب
اٹھانے کی عادت ڈالنا چاہیے اگر کوئی جادۂ حق کا راہی
ہے تو حضورؐ کا اسوہ اس کے لیے عزیمت و استقامت
کے بیش بہا خطوط مہیا کرتا ہے ایک شوہر کے لیے آپؐ
ایک مثالی شوہر ہیں اور ایک باپ کے لیے فاطمہؓ کا باپ اعلیٰ
معیار پیش کرتا ہے۔

الغرض دنیا کے ہر شخص کے لیے حضورؐ کی زندگی کا ہر پہلو
ایک مثال کی صورت میں جلوہ گر ہے اخذ و استفادہ کی
صلاحیت قدرت کی دین ہے سورج تو یکساں چمکتا ہے
مگر شور اور زرخیز زمین میں قبولیت کی صلاحیتیں مختلف
ہوتی ہیں، بارش تو ہر جگہ ہوتی ہے یہ الگ بات ہے
کہ کہیں پھول کھلتے ہیں کہیں گھاس اگتی ہے اور کہیں کانٹے
بھی نظر نہیں آتے بادِ صبا تو ایک ہی انداز سے چلتی ہے
مگر ریگزاروں میں بہار نہیں لا سکتی بلکہ گلشن ہی میں کلیوں
کو چٹکاتی اور مسکاتی گزر جاتی ہے مگر عرب کی سرزمین سے
ابھرنے والا یہ آفتاب ہر ظلمت کو اجال رہا ہے بطحا کی
جانب سے اٹھنے والا یہ بادل پھولوں کو بھی حسن بخش رہا ہے
اور سبزے کو بھی ہریالی عطا کر رہا ہے۔ ہوا کی ایک ایسی
موج ہے جو غنچوں ہی کو نہیں کانٹوں کو بھی گداز عطا کر
گئی ہے نتیجہ معلوم کہ عرب کا ریگستان آج بھی اطرافِ عالم میں
نکہتیں لٹا رہا ہے ؎

تری نظر سے ملی روشنی نگاہوں کو
دلوں کو سوز و تب و تابِ جاودانہ ملا

حیاتِ انسانی کے دو اہم پہلو ہیں، ایک حقوق اللہ
اور دوسرا حقوق العباد، ایک کو معاد و آخرت کہیں تو
دوسرے کو معاش و تمدن جہاں تک معاش کا تعلق ہے
اس میں انسان کے انسان سے تعلقات، حاکم کے محکوم
سے روابط خاوند اور بیوی کی رفاقت باپ بیٹے کا پیار تاجر و
آجر کے معاملات، آقا اور۔۔۔

غلام کا امتیاز۔ غرض دنیا ہر پہلو اس ضمن میں آجاتا ہے معاد و آخرت خدا اور انسان کے گرد گھومنے والا ایک دائرہ ہے۔ جس میں عقیدہ، عبادت اور اخروی جواب دہی کے جملہ امور آجاتے ہیں۔ دنیا میں جتنے مفکر اور مصلح آتے ہیں وہ سب کے سب زندگی کے کسی ایک گوشے میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی جانچئے تو ان کے دامن پر بعض دھبے عقیدت کی بجائے نفرت ابھارتے ہیں۔ کوئی ایک مفکر بھی اپنی زندگی کی کوئی ایسی ہمہ پہلو، ہمہ گیر اور ہمہ جہت تصویر پیش نہیں کرسکتا جتنی مکمل، جامع اور احسن زندگی عرب کے اس اُمّی ؐ کی ہے۔ جو پیدا ہوا تو آتش کدے ٹھنڈے پڑ گئے۔ جبر و استبداد کے ایوان لرز گئے۔ مظلومیت اور بے بسی کو فخر و شرف کا مقام مل گیا۔ جو اُبھرا تو تلاش معاش ایک ایسا مقام پیدا کر گیا جو دیانت صالحیت سے عبادت تھا۔ گھر کی چار دیواری میں آیا تو بہترین خاوند، مثالی باپ اور قابل صد احترام انسان ثابت ہوا۔ جو نکھرا تو جہالت کو شعور، ظلمت کو نور کائنات کو زیبائی۔ فکر کو گہرائی اور روح کو رعنائی دے گیا۔ میدان جنگ میں اترا تو بہترین سپاہی اور سپہ سالار ثابت ہوا۔ گردشِ زمانہ کا سامنا ہوا تو طائف کے ریگزار کو گلزار بنا تا، حزن و ملال اور استقلال و استقامت کی روایات کا دیباچہ بن گیا۔ حاکم بنا تو عدل و مساوات ثنا و تشکر و استحسان کا ایک زندہ جاوید کردار پیش کر گیا کہ تاریخ اس کے حضور میں آج بھی خم ہے۔ تاریخ کے اوراق اور وقت کی کروٹیں اس حقیقت کا اعلان کر رہی ہیں کہ انسانیت کو ایسا مقام معراج نہ کبھی ملا نہ کبھی ملے گا۔

غیر مسلموں کے لیے حضور کے نظریات و اعمال اس لیے کشش رکھتے ہیں کہ وہ چودہ سو سال بعد بھی اپنی صحیح ترین اور مستند ترین صورت میں دنیا کے سامنے موجود ہیں۔ حضور کے علاوہ کوئی نبی، کوئی راہنما اور کوئی مفکر یہ دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس کے بتائے ہوئے اصول و قواعد بجنسہٖ موجود ہیں۔ کوئی الہامی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتی۔ قرآن کے علاوہ جو اوراق خود کو الہام و بصیرت کا تبلیغ قرار دیتے ہیں۔ وہ محض سنی سنائی روایات کا بلا واسطہ اظہار ہیں جب کہ قرآن پاک حضورؐ کی سیرت مطہرہ، احادیث اور حالات کا ہر گوشہ قدرت نے محفوظ رکھا ہے۔

کیونکہ قرآن و سنت کوئی ایسا چراغ نہیں جسے کسی خاص موقع یا جگہ پر روشن ہوتا ہے یہ تو ایک ایسا سراجِ منیر ہے جسے روشن رہنا ہے۔ اور ابد تک دلوں کا زنگ اتارنا اور تاریکیوں کو نور عطا کرنا ہے

چمکتا ہے تیری ذات سے انسان کا مقدر
تو خاتم دوراں کا درخشندہ نگیں ہے

قارئین کرام کی خدمت میں

جن حضرات نے ابھی تک اپنا سالانہ چندہ ادا نہیں فرمایا وہ اپنا چندہ جلد از جلد دفتر ماہنامہ "المرشد" میں ادا فرما دیں۔

(ادارہ)

۹۹

ماہنامہ

المرشد

زیر سرپرستی

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان صاحب مدظلہ

اصلاح احوال و باطنی اصلاح

سالانہ چندہ

پینتیس ۳۵ روپے

فہرست مطبوعات ادارہ نقشبندیہ اویسیہ

دلائل السلوک (اردو)	۲۵/۰۰
صوفی ازم (انگلش)	۴۰/۰۰
حیاتِ برزخیہ	۲۵/۰۰
تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین	۲۵/۰۰
الدین الخالص	۲۵/۰۰
حیاتِ انبیاءؑ	۱۰/۰۰
اطمینانِ قلب	۱۰/۰۰
تعمیر سیرت	۷/۵۰
لغزشیں	۷/۵۰
حضرت امیر معاویہؓ	۷/۵۰
اسرار الحرمین	۵/۰۰
انوار التنزیل	۵/۰۰
کس لئے آئے تھے؟	۵/۰۰
تعارف	۳/۰۰
خدایا ایں کرم بارِ دگر کن	۷/۵۰
دیارِ حبیب میں چند روز	۵/۰۰
دین و دانش	۵/۰۰
مغالطے	۵/۰۰
پاکیزہ معاشرہ	۷/۵۰
فضائل توبہ استغفار	۲۰/۰۰
المرشد (فی شمارہ)	۳/۰۰
حج کی دعائیں ۳ حصے	۵/۰۰
ذکر اللہ (عربی)	۳/۰۰
بزم انجم	۱۵/۰۰
فوزِ عظیم	۱/۵۰
علم و عرفان مع تلاشِ رزق	۳/۰۰
سالانہ چندہ المرشد	۳۵/۰۰
کونوا عباد اللہ (زیر طبع)	
ایمان بالقرآن کلاں	۲۰/۰۰

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع جہلم ● سول ایجنٹ مدنی کتبخانہ گنپت روڈ لاہور

کتبہ: مشتاق حسین رضوی

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو وڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراً سن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمتہ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریباً تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فوراً ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255